آج کے
اردو شاعر
اور
ان کی شاعری
مشورہ بکس
پرکاش پنڈت

آج کے شاعر اور اُن کی شاعری

پرکاش پنڈت

آج کے شاعر اور انکی شاعری
پرکاش پنڈت
مشورہ بک ڈپو
۲ رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس ۱۶۳۹ دہلی ۶

اردو کی اولین پاکٹ بکس

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

ناشران:۔ مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس ۱۶۳۹ دہلی ۶

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

AJ KI URDU SHAIRY - PRAKASH PANDIT

POETRY

جوش ملیح آبادی

ولادت : ۱۸۹۴ء　　　نام : شبیر حسن خاں

کام ہے میرا تغیّر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

سائنس لو یا خوش رہو

قسم اُس موت کی اُٹھتی جوانی میں جو آتی ہے
عروسِ نو کو بیوہ، ماں کو دیوانہ بناتی ہے
جہاں سے جھٹپٹے کے وقت اک تابوت نکلا ہو
قسم اُس شب کی جو پہلے پہل اِس گھر میں آتی ہے
عزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈتی ہیں مرنے والوں کو
قسم اُس صبح کی جو غم کے یہ منظر دِکھاتی ہے
قسم سائل کے اس احساس کی جب دیکھ کر اس کو
سیاہی دفعتاً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہے
قسم اُن آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیں
جگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے
قسم اس بے بسی کی اپنے شوہر کے جنازے پر
کلیجہ تھام کر جب تازہ دُلہن سر جُھکاتی ہے
نظر پڑتے ہی اِک ذی مرتبہ مہماں کے چہرے پر
قسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہے
کہ یہ دُنیا سراسر خواب ہے اور خواب پریشاں ہے
خوشی آتی نہیں سینے میں جب تک سانس آتی ہے

اُنگلیاں اُٹھیں گی دُنیا میں تیری اولاد پر
غلغلہ ہوگا وہ آتے ہیں رذالت کے پسر

تیری مستورات کا بازار میں ہوگا قیام
معرضِ دُشنام میں تیرا لیا جائے گا نام

اِس طرف مُنہ کر کے تھوکے گا نہ کوئی نوجواں
بَر کی حسرت میں رہیں گی تیرے گھر کی لڑکیاں

کیا جوانوں کے غضب کا ذکر او ابنِ خطاب
سُن کے تیرا نام اُڑ جائیگا بوڑھوں کا خضاب

فحش سمجھی جائے گی محلوں میں تیری داستاں
کانپ اُٹھیں گی ذِکر سے تیرے کنواری لڑکیاں

آئے گا تاریخ کا جس وقت جنبش میں قلم
قبر تیری دے اُٹھے گی لو، جہنم کی قسم

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

یہ کون اٹھاتا ہے شرماتا   رین کا جاگا نیند کا ماتا
نیند کا ماتا دھوم مچاتا   انگڑائیاں لیتا، بَل کھاتا
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

رُخ پہ سُرخی آنکھ میں جادو   بھینی بھینی بر کی خوشبو
بانکی چِتون، سمٹے ابرو   نیچی نظریں، بکھرے گیسو
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

نیند کی لہریں گنگا جمنی   جلد کے نیچے ہلکی ہلکی
آنچل ڈھلکا، مسکی ساری   ہلکی مہندی، دُھندلی بیندی
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

ڈُوبا ہوا رُخ تابانی میں   انوارِ سحر پیشانی میں!
یا آبِ گہر طغیانی میں   یا چاند کا مکھڑا پانی میں
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

رُخسار پہ موجیں رنگینی!   کچّی چاندی، سُچی چینی
آنکھوں میں نقوشِ خود بینی   مُکھڑے پہ سحر کی شیرینی

یہ کون اُٹھاتا ہے شرماتا

آنکھ میں غلطاں عشرت گاہیں　　　　نیند کی سانسیں جیسے آہیں
بکھری زلفیں عریاں باہیں　　　　جان سے ماریں جسکو چاہیں
یہ کون اٹھا ہے شرماتا ؟

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل　　　　الجھا الجھا زلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل　　　　سرخ پپوٹے نیند سے بوجھل
یہ کون اٹھاتا ہے شرماتا؟

کچھ جاگ رہی کچھ سوتی ہے　　　　ہر موجِ صبا منہ دھوتی ہے
ناسفتہ رخ یا موتی ہے　　　　انگڑائی سے جز بز ہوتی ہے
یہ کون اٹھاتا ہے شرماتا؟

چہرہ پھیکا نیند کے مارے　　　　پھیکے پن میں شہد کے دھارے
جو بھی دیکھے جان کے وارے　　　　دھرتی ماتا بوجھ سہارے
یہ کون اٹھاتا ہے شرماتا ؟

ہلچل میں دل کی بستی ہے　　　　طوفانِ جنوں میں ہستی ہے
آنکھ میں شب کی مستی ہے　　　　اور مستی دل کو ڈستی ہے
یہ کون اٹھاتا ہے شرماتا ؟

اعترافِ عجز

لوگ کہتے ہیں کہ میں ہوں شاعرِ جادو بیاں
صدرِ معنی، داورِ الفاظ، امیرِ شاعراں
اور خود میرا بھی کل تک خیر سے یہ تھا خیال
شاعری کے فن میں ہوں منجملۂ اہلِ کمال
لیکن اب آئی ہے جب اک گونہ مجھ میں پختگی
ذہن کے آئینے پہ کانپا ہے عکسِ آگہی
آسماں جاگا ہے سر میں اور سینے میں زمیں
اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں
جہل کی منزل میں تھا مجھ کو غرورِ آگہی
اتنی لامحدود دنیا اور میری شاعری
زلفِ ہستی اور اتنے بے نہایت پیچ و خم
اُڑ گیا رنگِ تعلّی کھل گیا میرا بھرم
میرے شعروں میں فقط اک طائرانہ رنگ ہے
کچھ سیاسی رنگ ہے، کچھ عاشقانہ رنگ ہے
چہچہے کچھ موسموں کے زمزمے کچھ جام کے
دیرِ دل میں چند ٹکڑے مرمری اصنام کے
چند زلفوں کی سیاہی چند رخساروں کی آب

گاہ حرفِ بے نوائی، گاہ شورِ انقلاب

وصل کے دو چار نغمے، ہجر کی ایک آدھ آہ
قعر سے ناواقفیت، سطحِ دریا پر نگاہ !!
گاہ مرنے کے عزائم گاہ جینے کی اُمنگ
بس یہی سطحی سی باتیں بس یہی اوچھے سے رنگ
بے خبر تھا میں کہ دُنیا رازِ اندر راز ہے
وہ بھی گہری خامشی ہے جس کا نام آواز ہے
ابتدا و انتہا کا عِلم نظروں سے نہاں
ٹمٹماتا سا دِیا دو ظُلمتوں کے درمیاں
انجمن میں تخلیئے میں تخلیئوں میں انجمن،
ہر شکن میں اِک کھچاوٹ ہر کھچاوٹ میں شکن
پیکرِ ہستی پہ ڈھیل ہے مظاہر کا لباس
اور میں اُس کی ذرا سی اِک شکن سے روشناس
کیوں نہ پھر سمجھوں سبک اپنے سخن کے رنگ کو
نطق نے الماس کے بدلے تراشا سنگ کو
پا رہا ہوں شاید اب اِس تیرہ حلقے سے نجات
کیونکہ اب پیشِ نظر ہے عقدہ ہائے کائنات
یہ تڑپتی اُلجھی زمیں یہ پیچ در پیچ آسماں
الاماں و الاماں و الاماں و الاماں
ایک مُنّا سا ستارا ایک ننھا سا شرار
یہ تنزل یہ طلاطم یہ تموج یہ فشار !

اِک نفس کا تار اور یہ شورِ عُمرِ جاوداں
اِک گھڑی اور اِس میں زنجیروں کے اتنے کارواں
اِک صدا اور اس میں یہ لاکھوں ہوائی دائرے
جنکی آوازیں اگر سُن لے تو دُنیا گونج اُٹھے
ایک بوند اور ہفت قلزم کے ہلا دینے کا جوش
ایک گونگا خواب اور تعبیر کا اِتنا خروش
اِک کلی اور اِس میں صدیوں کی متاعِ رنگ و بُو
صرف اِک لمحہ کی رگ میں اور قرنوں کا لہُو
ہر قدم پہ نصب اور اسرار کے اتنے خیام
اور اس منزل میں میری شاعری میرا کلام
جس میں علمِ آسماں ہے اور نہ اسرارِ زمیں
ایک خس، اِک دانہ، اِک جو ایک ذرہ بھی نہیں
نوعِ انسانی کو جب ملجائیگی رفتارِ نُور
شاعرِ اعظم کا تب ہوگا کہیں جا کر ظہور
خاک سے پھُوٹے گی جب عُمرِ ابد کی روشنی
جھاڑ دیگی موت کو دامن سے جس دِن زندگی
جب بشر کی جُوتیوں کی گرد ہوگی کہکشاں
تب جنے گی نسلِ آدم، شاعرِ جادُو بیاں
فکر میں کامل نہ فنِ شعر میں یکتا ہُوں میں
کچھ اگر ہُوں تو نقیبِ شاعرِ فردا ہُوں میں

فکر ہی ٹھہری تو دِل کو فکرِ خوباں کیوں نہ ہو
خاک ہونا ہے تو خاکِ کوُئے جاناں کیوں نہ ہو

دہر میں جب خواجہ! جب ٹھہری اسیری ناگزیر
دِل اسیرِ حلقۂ گیسوئے پیچاں کیوں نہ ہو؟

زلیست ہے جب مستقل آوارہ گردی ہی کا نام
عقل والو! پھر طوافِ کوُئے جاناں کیوں نہ ہو

جب نہیں مستوریوں میں بھی گُناہوں سے نجات
دِل کھُلے بندوں غریقِ بحرِ عصیاں کیوں نہ ہو؟

اِک نہ اِک ہنگامے پر موقوف ہے جب زندگی
میکدے میں رِند رقصاں و غزلخواں کیوں نہ ہو؟

یاں جب آویزش ہی ٹھہری ہے تو ذرّے چھوڑکر
آدمی خورشید سے دست و گریباں کیوں نہ ہو

اِک نہ اِک ظُلمت سے جب وابستہ رہنا ہے تو جوش
زندگی پر سایۂ زُلفِ پریشاں کیوں نہ ہو؟

رُباعیات

ہر علم و یقیں ہے اِک گُماں اے ساقی
ہر ذرّہ ہے اک خوابِ گراں اے ساقی
اپنے کو کہیں رکھ کے میں بھولا ہوں ضرور
لیکن یہ نہیں یاد، کہاں اے ساقی

• •

الفاظ میں ناگن سی جوانی کے ڈسے
انفاس مہکتے ہوئے ہونٹوں میں بسے
یوں دِل کو جگا رہا ہے تیرا لہجہ
جس طرح ستار کے کوئی تار کسے

• •

کرتی ہے گھر کو اشکباری پیدا
تمکین کو رُوح بے قراری پیدا
سو بار چمن میں جب تڑپتی ہے نسیم
ہوتی ہے کلی پر اِک دھاری پیدا

• •

جانے والے قمر کو روکے کوئی
شب کے پیکِ سفر کو روکے کوئی
تھک کر میرے زانو پہ وہ سویا ہی ابھی
روکے روکے، سحر کو روکے کوئی

•   •

ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے
انسان کو بہر طور دغا دیتا ہے
کر سکتے نہیں گنہ جو احمق اُن کو !
بے رُوح نمازوں میں لگا دیتا ہے

•   •

جنت کے مزوں پہ جان دینے والو
گندے پانی میں ناؤ کھینے والو
ہر خیر پہ چاہتے ہو ستّر حُوریں
اے اپنے خدا سے سُود لینے والو

•   •

تجھ سے جو پھرے گی تو کدھر جائے گی
لے جائے گی جس سمت اُدھر جائیگی
دُنیا کے حوادث سے نہ گھبرا کہ یہ عُمر
جس طرح گزارے گا گزر جائیگی

ہر غارِ مہ و سال سے پٹ جاتا ہے
سایہ ہو کہ دھوپ، وقت کٹ جاتا ہے
غم ہے مانندِ برف ایسا اِک بوجھ
ہر گام پہ جس کا وزن گھٹ جاتا ہے

•

کیا شیخ ملے گا گلفشانی کر کے
کیا پائے گا توہینِ جوانی کر کے
تو آتشِ دوزخ سے ڈراتا ہے انہیں
جو آگ کو پی جاتے ہیں پانی کر کے

•

کیا فائدہ شیخ! تجھ سے کہنے میں مجھے
خشکی میں تجھے لطف، سفینے میں مجھے
عیّاش تو دونوں ہیں مگر فرق یہ ہے
کھانے میں تجھے مزا، پینے میں مجھے،

•

کاکل کھل کر بکھر رہی ہے گویا!
نرمی سے ندی گزر رہی ہے گویا
آنکھیں تیری جھک رہی ہیں مجھ سے ملکر
دیوار سے دھوپ اتر رہی ہے گویا

ہم رہتے ہیں تشنہ چھلک کے پینے کیلئے
گرداب میں پھنستے ہیں سفینے کے لئے
جیتے ہیں تو مرنے کے لئے جیتے ہیں
مرتے ہیں تو بے دریغ جینے کے لئے

• •

خود کو گم کردۂ گناہ کر کے چھوڑا
حوّا کو بھی تباہ کر کے چھوڑا
کیا کیا نہ کیا خدا نے جنت میں جتن
آدم نے مگر گناہ کر کے چھوڑا

• •

یہ حکم ہے چپ سادھ لو، آنکھیں نہ اٹھاؤ
دو خوب اذاں دھوم سے ناقوس بجاؤ
گوبر پہ چنے چاب کے پانی پی لو !
بستر پہ گرو، ڈکار لو، اور مر جاؤ

• •

اے خواب بتا یہی ہے باغِ رضواں
حوروں کا کہیں پتہ نہ غلماں کا نشاں
اک کنج میں خاموش و ملول و تنہا
بے چارے ٹہل رہے ہیں اللہ میاں

متفرق اشعار

جس کو تم بھول گئے یاد کرے کون اُسکو
جس کو تم یاد ہو، وہ اور کسے یاد کرے

٭ ٭ ٭ ٭

سحر تک چاند میرے سامنے رکھتا ہے عکس اُن کا
ستارے شب کو میرے ساتھ اُن کا نام لیتے ہیں
یہ سُنکر ہمنے میخانے میں اپنا نام لکھوایا
جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

٭ ٭ ٭ ٭

برتاؤ دوستی کے حد سے نکل گئے ہیں
یا تم بدل گئے ہو یا ہم بدل گئے ہیں

٭ ٭ ٭ ٭

میری حالت تیری فرقت میں سنبھل جائیگی
کیا یہ دُنیا ہے کہ دو دِن میں بدل جائیگی

٭ ٭ ٭ ٭

جو موقعہ مِل گیا تو خضر سے یہ بات پُوچھینگے
جسے ہو جُستجو اپنی وہ بیچارے کہاں جائیں

٭ ٭ ٭

فراقؔ گورکھپوری

نام : رگھوپتی سہائے

ولادت : ۱۸۹۶ء

یوں ہی فراقؔ نے عمر بسر کی
کچھ غمِ جاناں، کچھ غمِ دوراں

ڈرتا ہوں کامیابیٔ تقدیر دیکھ کر
یعنی ستم ظریفیٔ تقدیر دیکھ کر
قالب میں روح پھونک دی یا زہر بھر دیا
میں مر گیا حیات کی تاثیر دیکھ کر
حیراں ہوئے نہ تھے جو تصوّر میں بھی کبھی
تصویر ہو گئے تیری تصویر دیکھ کر
خوابِ عدم سے جاگتے ہی جی پہ بن گئی
زہرابِ حیات کی تاثیر دیکھ کر
یہ بھی ہُوا ہے اپنے تصوّر میں ہو کے محو
میں رہ گیا ہوں آپکی تصویر دیکھ کر
سب مرحلے حیات کے طے کر کے اب فراق
بیٹھا ہُوا ہوں موت میں تاخیر دیکھ کر

٭ ٭ ٭

امیدِ مرگ کب تک، زِندگی کا دردِ سر کبتک
یہ مانا صبر کر لیتے ہیں محبت میں، مگر کب تک
دیارِ دوست حد ہوتی ہے یوں بھی دِل بہلنے کی
نہ یاد آئیں غریبوں کو تیرے دیوار و در کبتک

یہ تدبیریں بھی تقدیرِ محبت بن نہیں سکتیں
کسی کو ہجر میں بھولے رہیں گے ہم مگر کب تک
عنایت کی، کرم کی، لطف کی آخر کوئی حد ہے
کوئی کرتا رہے گا چارۂ زخمِ جگر کب تک
کسی کا حسن رسوا ہو گیا پردے ہی پردے میں
نہ لائے رنگ آخر کار تاثیرِ نظر کب تک

٭ ٭ ٭

شامِ غم کچھ اس نگاہِ ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو
نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اِسی انداز کی باتیں کرو!
یہ سکوتِ یاس، یہ دِل کی رگوں کا ٹوٹنا
خامشی ہی کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو
ہر رگِ دِل وجد میں آتی رہے، دُکھتی رہے
یونہی اس کے جا و بیجا ناز کی باتیں کرو
کچھ قفس کی تیلیوں سے چھَن رہا ہی نور سا
کچھ فضا کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو
جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراقؔ
آج اس عیسیٰ نفس دمساز کی باتیں کرو

یہ مانا زندگی ہے چار دِن کی
بہت ہوتے ہیں یارو چار دِن بھی

خدا کو پا گیا واعظ، مگر ہے
ضرورت آدمی کو آدمی کی

بسا اوقات دِل سے کہہ گئی ہے
بہت کچھ وہ نگاہِ مختصر بھی

مِلا ہوں مُسکرا کر اُس سے ہر بار
مگر آنکھوں میں بھی تھی کچھ نمی سی

محبت میں کریں کیا حال دِل کا
خوشی ہی کام آتی ہے نہ غم بھی

بھری محفل میں ہر اک سے بچا کر
تیری آنکھوں نے مجھ سے بات کر لی

لڑکپن کی ادا ہے جان لیوا!
غضب یہ چھوکری ہے ہاتھ بھر کی

ہے کِتنی شوخ طنزِ ایامِ گل پر
چمن میں مُسکراہٹ ہر کلی کی

رقیبِ غمزدہ اب صبر کر لے
کبھی اُس سے میری بھی دوستی تھی

* * *

کوئی نئی زمین ہو، نیا آسماں بھی ہو
اے دل اب اُس کے پاس چلیں وہ جہاں بھی ہو
افسردگیٔ عشق میں سوزِ نہاں بھی ہو
یعنی بجھے دِلوں سے اُٹھتا دُھواں بھی ہو!
اِس درجہ اختلاط اور اِتنی مغائرت
تو میرے اور اپنے کبھی درمیاں بھی ہو
مِٹ جائیگی یہ کاوشِ ہجر و وصال بھی
میرا کہیں پتہ کہیں تیرا نشاں بھی ہو!
ہم اپنے غمگسارِ محبت نہ ہو سکے
تم تو ہمارے حال پہ کچھ مہرباں بھی ہو
تجھ کو سپردگی کی قسم جذبِ شوق پر
گر اعتماد ہے تو کبھی بدگماں بھی ہو
بزمِ تصورات میں اے دوست! یاد آ
اِس محفلِ نشاط میں غم کا سماں بھی ہو
چونکی ہوئی ہے حُسن کی کچھ بے توجہی
ایسے میں اہلِ شوق کے مُنہ میں زباں بھی ہو
دم کیا رُکا کہ گردشِ افلاک رُک گئی
وہ اشک ہی سہی شبِ فرقت رواں بھی ہو
محبوب وہ کہ سر سے قدم تک خلوص ہو
عاشق وہی کہ حُسن سے کچھ بدگماں بھی ہو

٭ ٭ ٭

نہ جانا آجتک کیا شے خوشی ہے
ہماری زندگی بھی کیا زندگی ہے

تیرے غم سے شکایت سی رہی ہے
مجھے سچ مچ بڑی شرمندگی ہے

محبّت میں کبھی سوچا ہے یوں بھی
کہ تجھ سے دوستی یا دشمنی ہے

کوئی دم کا ہوں مہماں منہ نہ پھیرو!
ابھی آنکھوں میں کچھ کچھ روشنی ہے

زمانہ ظلم مجھ پر کر رہا ہے
تم ایسا کر سکو تو بات بھی ہے

جھلک مایوسیوں میں شوخیوں کی
بہت رنگین تیری سادگی ہے

اسے سن لو سبب اس کا نہ پوچھو
مجھے تم سے محبّت ہوگئی ہے

سنا ہے اک نگر ہے آنسوؤں کا
اسی کا دوسرا نام آنکھ بھی ہے

وہی تیری محبّت کی کہانی!
جو کچھ بھولی ہوئی کچھ یاد بھی ہے

تمہارا ذکر آیا اتفاقاً"
نہ بگڑو بات پر بات آگئی ہے

زندگی کیا ہے یہ مجھ سے پُوچھتے ہو دوستو
ایک پیماں ہے جو پُورا ہو کے بھی پُورا نہ ہو!
بے بسی یہ ہے کہ سب کچھ کر گزرنا عشق میں
سوچنا دل میں یہ، ہم نے کیا کیا پھر بعد کو
رشک ہے جس پر زمانے بھر کو ہو وہ بھی تو عشق
کوستے ہیں جس کو وہ بھی عشق ہی ہے، ہو نہ ہو
آدمیت کا تقاضا تھا مرا اظہارِ عشق!
بھُول بھی ہوتی ہے اک انسان سے جانے بھی دو
میں تمہیں میں سے تھا کر لینے میں یادِ رفتگاں
یوں کسی کو بھُولتے ہیں دوستو، اے دوستو
یوں بھی دیتے ہیں نشاں اس منزلِ دشوار کا
جب چلا جائے نہ راہِ عشق میں تو گر پڑو
میکشوں نے آج تو سب رنگ رلیاں دیکھ لیں
شیخ کچھ ان منہ پھٹوں کو دے دِلا کر چُپ کرو
آدمی کا آدمی ہونا نہیں آساں، فراق،
علم و فن، اخلاق و مذہب، جس سے چاہو پُوچھ لو

٭ ٭ ٭

رُباعیات

وہ پینگ ہے رُوپ میں کہ بجلی لہرائے
وہ رس آواز میں کہ امرت للچائے
رفتار میں وہ لچک پون رس بل کھائے
گیسوؤں میں وہ لٹک کہ بادل منڈلائے

٭ ٭ ٭

ہے رُوپ میں وہ کھنک، وہ رس، وہ جھنکار
کلیوں کے چٹکتے وقت جیسے گُلزار
یا نُور کی اُنگلیوں سے دیوی کوئی
جیسے شبِ ماہ میں بجاتی ہو ستار

٭ ٭ ٭

صحرا میں زماں، مکاں کے کھو جاتی ہیں
صدیوں بیدار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں 'فراق'
تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

٭

دُنیا جو سنور جائے سنور جانے دے
دُنیا جو نکھر جائے نکھر جانے دے
یہ فرصتِ نظارہ غنیمت ہے فراقؔ
دِل پہ جو گذر جائے گذر جانے دے

٭ ٭ ٭

سونے والوں کو کیا جگاتی دُنیا
سُنتے کون فسانے جو سُناتی دُنیا
دُنیا کا بھرم کھُلا نہ پوچھو کس وقت
جب آنکھ کھلی تو دیکھی جاتی دُنیا

٭ ٭ ٭

جو رنگ اُڑا وہ رنگ آخر لایا
دردِ و غم و سوز و ساز کیا کیا پایا
سب جینے کا مزا مِلا محبّت کر کے
صد شکر فراقؔ دِل کو دُکھنا آیا

٭ ٭ ٭

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جاں سے گذرنا کیا آئے
رو رو کے موت مانگنے والوں کو
جینا نہیں آسکا تو مرنا کیا آئے

٭ ٭ ٭

کھوتے ہیں اگر جان تو کھو لینے دے
جو ایسے میں ہو جائے وہ ہو لینے دے
اِک عمر پڑی ہے صبر بھی کر لینگے
اِس وقت تو جی بھر کے رو لینے دے

٭ ٭ ٭

اے زندگئ غم تیری وحشت دیکھی
تیری نیرنگئ طبیعت دیکھی،
کُھلتے نہیں تیرے بھید میں نے تجھ میں
ہنس دینے کی روتے روتے عادت دیکھی

٭ ٭ ٭

ہر جلوے سے اِک درس نمو لیتا ہوں
چھلکے ہوئے صد جام و سبو لیتا ہوں
اے جانِ بہار تجھ پر پڑتی ہی جب آنکھ
سنگیت کی سرحدوں کو چھو لیتا ہوں

٭ ٭ ٭

گھر چھوڑے ہوؤں کی کوئی منزل نہ سہی
ہوتی نہیں سہل کوئی مشکل نہ سہی
ہستی کی رات کاٹ دینے کے لئے
ویرانہ سہی کسی کی محفل نہ سہی

٭ ٭ ٭

جگر مُرادآبادی

ولادت : ۱۸۹۰ء وفات : ۱۹۶۰ء نام : علی سکندر

جگر میں نے چھپایا لاکھ اپنا دَرد و غم لیکن
بیاں کردیں میری صُورت نے سب کیفیتیں دِل کی

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ میں بل کھا کے پی گیا !
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرّا کے پی گیا

زاہد یہ میری شوخیٔ رندانہ دیکھنا !
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

سرمستیٔ ازل مجھے جب یاد آ گئی
دُنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا

آزردگیٔ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر
مُجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

اے رحمتِ تمام ! میری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پیتا بغیر اِذن یہ کب تھی میری مجال
دَر پردہ چشمِ یار کی شہہ پا کے پی گیا

اِس جانِ میکدہ کی قسم بارہا، جگر،
کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

٭ ٭ ٭

دِل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہُوں میں
کتنا حسیں گُناہ کئے جا رہا ہُوں میں
فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہُوں میں
رحمت کو بے پناہ کئے جا رہا ہُوں میں
ایسی بھی اِک نگاہ کئے جا رہا ہُوں میں
ذرّوں کو مہر و ماہ کئے جا رہا ہُوں میں
اُٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اُس کے رُوبرو
نادیدہ اِک نگاہ کِئے جا رہا ہُوں میں
یُوں زِندگی گزار رہا ہوں تیرے بغیر
جیسے کوئی گُناہ کِئے جا رہا ہُوں میں
گلشن پرست ہُوں مجھے گُل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کِئے جا رہا ہُوں میں
مُجھ سے لگے ہیں عِشق کی عظمت کو چار چاند
خود حُسن کو گُناہ کئے جا رہا ہُوں میں

•

ہمیں معلُوم ہے ہم سے سُنو محشر میں کیا ہوگا
سَب اُس کو دیکھتے ہوں گے وہ ہم کو دیکھتا ہوگا
جہنّم ہو کہ جنّت جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا

یہ مانا بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دِل پہ گزرے گی وہ دِل ہی جانتا ہو گا
سمجھتا کیا ہے تو دیوانگانِ عشق کو زاہد
یہ ہو جائیں گے جس جانب اُسی جانب خُدا ہو گا

•

میرا جو حال ہو سو ہو برقِ نظر گرائے جا
میں یُوں ہی نالہ کش رہُوں تو یُوں ہی مُسکرائے جا
لحظہ بہ لحظہ دم بہ دم جلوہ بہ جلوہ آئے جا
تشنۂ حُسن ذات ہُوں تشنہ لبی بڑھائے جا
جتنی بھی آج پی سکُوں، عُذر نہ کر پلائے جا
مستِ نظر کا واسطہ مستِ نظر بنائے جا
لُطف سے ہو کہ قہر سے ہو گا کبھی تو رُوبرو
اِس کا جہاں پتہ چلے شور وہیں مچائے جا
عشق کو مطمئن نہ رکھ حُسن کے اعتماد پر
وہ تجھے آزما چکا، تو اُسے آزمائے جا

•

خار کو گُل اور گُل کو خار جو چاہے کرے
تم نے جو چاہا کیا اے یار جو چاہے کرے
اُس نے یہ کہہ کر دیا دِل کو فریبِ جستجو
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے

تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں
آپ کی یہ حسرتِ دیدار جو چاہے کرے
ہر حقیقت حُسن کی ہے بے نیازِ اعتراف
اب کوئی اقرار یا اِنکار جو چاہے کرے

• •

جب تک کہ غمِ اِنساں سے جگر انسان کا دِل معمور نہیں
جنّت ہی سہی دُنیا لیکن جنّت سے جہنّم دُور نہیں،
جُز ذوقِ طلب جُز شوقِ سفر کچھ اور مجھے منظور نہیں
اے عِشق! بتا اب کیا ہوگا کہتے ہیں کہ منزل دُور نہیں
واعظ کا ہر اِک ارشاد بجا، تقریر بہت دِلچسپ مگر
آنکھوں میں سرُورِ عِشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نُور نہیں
اِس نفع و ضرر کی دُنیا میں میں نے لیا ہے درسِ جنُوں
خود اپنا زیاں تسلیم مگر اوروں کا زیاں منظور نہیں
میں زخم بھی کھاتا جاتا ہوں، قاتل سے بھی کہتا جاتا ہوں
توہین ہے دست و بازو کی، وہ وار کہ جو بھرپور نہیں
اربابِ ستم کی خدمت میں اِتنی ہی گزارش ہے میری
دُنیا سے قیامت دُور سہی دنیا سے قیامت دُور نہیں

• •

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گذرے
جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گزرے
کبھی کبھی تو وہ لمحے بلائے جاں گذرے
مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق
کہیں نہ خاطرِ معصوم پہ گراں گذرے
ہر اک مقامِ محبت بہت ہی دلکش تھا
مگر یہ اہلِ محبت کشاں کشاں گذرے
جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ
حسیں حسیں نظر آئے جواں جواں گذرے
میری نظر سے تیری جستجو کے صدقے میں
یہ اک جہاں ہی نہیں سینکڑوں جہاں گذرے

☆ ☆ ☆

دل کو سکون روح کو آرام آگیا
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا
جب کوئی ذکر گردشِ ایام آگیا
بے اختیار لب پہ تیرا نام آگیا
دیوانگی ہو، عقل ہو، امید ہو کہ یاس
اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آگیا
یہ کیا مقامِ عشق ہے ظالم کہ ان دنوں
اکثر تیرے بغیر بھی آرام آگیا

☆ ☆ ☆

متفرق اشعار

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

ٌ ٌ ٌ

اِدھر سے بھی ہے سِوا کچھ اُدھر کی مجبوری
کہ ہم نے کی آہ تو اُن سے آہ بھی نہ ہوئی

ٌ ٌ ٌ

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر کبھی غنچہ و گُل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں میرا حق ہے فصلِ بہار پر

ٌ ٌ ٌ

جینے تک ہیں ہوش کے جلوے آگے ہوش کی مستی ہے
موت سے ڈرنا کیا معنی، موت بھی جزو ہستی ہے

ٌ ٌ ٌ

ہر اک صورت ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
الٰہی! کیا میری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے

ٌ ٌ ٌ

ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں
عشق آخر عشق ہے، تم کیا کرو، ہم کیا کریں

* * *

کس طرف جاؤں کدھر دیکھوں کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی، جی بہت گھبرائے ہے

* * *

وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں
ہر تمنا گناہ ہوتی ہے

* * *

میں تیرا عکس ہوں کہ تو میرا
اس سوال و جواب نے مارا

* * *

رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی رابطہ اک شوخ سے
سامنا جس وقت ہو جاتا ہے بھر آتا ہے دل

* * *

جسے میں خود نہ بتا سکوں میرا رازِ دل ہے وہ رازِ دل
جسے غیر دوست سمجھ سکیں میرے ساز میں وہ صدا نہیں

* * *

حفیظ جالندھری

ولادت : سنہ ۱۹۰۰ء نام : محمد حفیظ

تشکیل و تکمیل فن میں جو بھی حفیظ کا حصہ ہے،
نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

ابھی تو میں جوان ہوں

(۱)

ہوا بھی خوشگوار ہے　　گلوں پہ بھی نکھار ہے
ترنمِ ہزار ہے !!　　بہارِ پُر بہار ہے
کہاں چلا ہے ساقیا؟
اِدھر تو لوٹ اِدھر تو آ!
ارے یہ دیکھتا ہے کیا؟
اُٹھا سبو، سبو اُٹھا!
سبو اُٹھا پیالہ بھر　　پیالہ بھر کے دے اِدھر
چمن کی سمت کر نظر　　سماں تو دیکھ، بے خبر
وہ کالی کالی بدلیاں
اُفق پہ ہو گئیں عیاں
وہ اک ہجوم میکشاں
ہے سوئے میکدہ رواں
یہ کیا گماں ہے بدگماں　　سمجھ نہ مجھ کو ناتواں!
خیالِ زہد ابھی کہاں
ابھی تو میں جوان ہوں!

عبادتوں کا ذِکر ہے　　نجات کی بھی فِکر ہے
جنوں ہے ثواب کا　　خیال ہے عذاب کا
مگر سُنو تو شیخ جی
عجیب شے ہیں آپ بھی
بھلا شباب و عاشقی
الگ ہوئے بھی ہیں کبھی

حسین جلوہ ریز ہوں　　ادائیں فتنہ خیز ہوں
ہوائیں عطر بیز ہوں !　　تو شوق کیوں نہ تیز ہوں
نگار ہائے فتنہ گر !
کوئی اِدھر کوئی اُدھر
اُبھارتے ہیں عیش پر
تو کیا کرے کوئی بشر

چلو جی قصّہ مختصر　　تمہارا نکتہ ہائے نظر
درست ہی تو ہو مگر
ابھی تو میں جوان ہوں

(۳)

یہ گشت کوہسار کی یہ سیر جوئے بار کی!
یہ بُلبُلوں کے چہچہے یہ گل رخوں کے قہقہے،

کسی سے میل ہو گیا
تو رنج و فکر کھو گیا
کبھی جو بخت سو گیا
یہ ہنس گیا، وہ رو گیا

یہ عشق کی کہانیاں یہ رس بھری جوانیاں
اُدھر سے مہربانیاں اِدھر سے لن ترانیاں

یہ آسماں یہ زمیں
نظارہ ہائے دل نشیں
انہیں حیات آفریں
بھلا میں چھوڑ دوں یہیں

ہے موت اسقدر قریں مجھے نہ آئے گا یقیں!

نہیں نہیں، ابھی نہیں
ابھی تو میں جوان ہوں

یہ غم کشود و بست کا　　بُلند کا نہ پست کا
نہ بود کا نہ ہست کا　　نہ وعدۂ الست کا

اُمید اور یاس گُم
حواس گُم قیاس گُم
نظر سے آس پاس گُم
ہمہ بجز گلاس گُم

نہ مے میں کچھ کمی رہے　　قدح سے ہمدمی رہے
نشست یہ جمی رہے　　یہی ہما ہمی رہے

وہ راگ چھیڑ مطربہ
طرب فزا، الم ربا
اثر صدائے ساز کا
جگر میں آگ دے لگا

ہر ایک لب پہ ہو صدا　　نہ ہاتھ روک ساقیا
پلائے جا، پلائے جا
ابھی تو میں جوان ہوں

عید کا چاند

جیتی رہو مگر مجھے آتا نہیں نظر
بیٹی کہاں ہے چاند؟ مجھے بھی بتا، کدھر
افسوس! اب نگاہ بھی کمزور ہو گئی!
نعمت خدا نے دی تھی بڑھاپے میں کھو گئی

مینار خانقاہ کے اوپر؟ کہاں؟ کہاں؟
کچھ بھی نہیں، کوئی بھی نہیں ہے، وہاں کہاں
ہاں ڈالیوں کے بیچ میں ہوگا وہیں کہیں
وہ ہے جہاں یہ ابر کی سرخی کہیں کہیں،

اب ہو چکی ہے عمر بھی نو اوپر ساٹھ سال
گذرے تیرے خسر کو بھی گذرے ہیں آٹھ سال
تیری طرح سے میں بھی کبھی ہاں جوان تھی
وہ دن بھلے تھے اور بھلی اُن کی شان تھی

ہر اک سے پہلے دیکھتی تھی میں ہلالِ عید
دس بیس دن سے رہتا تھا ہر دم خیالِ عید
اب دن تمہارے، وقت تمہارا، تمہاری عید
بیٹی! تمہاری عید سے ہے اب ہماری عید

گیت

جاگ سوزِ عشق جاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

جاگ کام دیوتا فتنہ ہائے نو جگا !!
بُجھ گیا ہے دِل میرا پھر کوئی لگن لگا !
سرد ہو گئی ہے آگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

پڑ گئی دِلوں میں پھوٹ کیا ابجوگ پڑ گیا
پرتھوی پہ چار گھونٹ ایک سوگ پڑ گیا
ہر نگوں ہے شیش ناگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

تُو نے آنکھ بند کی کائنات سو گئی
حُسنِ خود پسند کی دِن سے رات ہو گئی
زرد پڑ گیا سُہاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

اب وہ سفر نہ سیر رہبری نہ رہزنی !
کچھ نہیں تیرے بغیر دوستی نہ دُشمنی
اب لگا وُہی نہ لاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

اے مغنیٔ شباب　　جاگ خوابِ ناز سے
دِل شکستہ ہے رباب　　عرصۂ دراز سے

مر گئے قدیم راگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

تو جو چشم وا کرے　　ہر اُمنگ جاگ اُٹھے
آہ و نالہ جاگ اُٹھے　　راگ رنگ جاگ اُٹھے

جوگ سے مِلے سہاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

پھر اُسی اُٹھان سے　　تیر اُٹھے کماں اُٹھے
صبر کی زبان سے　　شور الامان سے

جاگ اُٹھے دِلوں کے بھاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

جاگ اے نظر فروز　　جاگ اے نظر نواز
جاگ اے زمانہ سوز　　جاگ اے زمانہ ساز

جاگ نیند کو تیاگ
جاگ سوزِ عشق جاگ

غزلیں

ہم میں ہی تھی نہ کوئی بات یاد نہ تم کو آ سکے
تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نہ تمہیں بھلا سکے

تم ہی نہ سن سکے اگر قصۂ ہائے سُنے گا کون
کس کی زبان کھُلے گی پھر، ہم نہ اگر سُنا سکے

ہوش میں آ چکے تھے ہم جوش میں آ چکے تھے ہم
بزم کا رنگ دیکھ کر سر نہ مگر اُٹھا سکے

رونقِ بزم بن گئے لب پہ حکائتیں رہیں
دِل میں شکائتیں رہیں، لب نہ مگر ہِلا سکے

شوقِ وصال ہے یہاں لب پہ سوال ہے یہاں
کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر مِلا سکے

ایسا بھی کوئی نامہ بر بات پہ کان دھر سکے
سُن کے یقین کر سکے، جا کے اُنہیں سُنا سکے

عجز سے اور بڑھ گئی برہمئ مزاجِ دوست
اب وہ کرے علاجِ دوست جسکی سمجھ میں آ سکے

اہلِ زباں تو ہیں بہت کوئی نہیں ہے اہلِ دِل
کون تیری طرح 'حفیظ' درد کے گیت گا سکے

او دِل توڑ کے جانے والے دِل کی بات بتاتا جا
اب میں دِل کو کیا سمجھاؤں مجھ کو بھی سمجھاتا جا
ہاں میرے مجروح تبسّم خشک لبوں تک آتا جا
پھول کی ہستی و بود یہی ہے کھلتا جا مرجھاتا جا
میری چُپ رہنے کی عادت جس کارن بدنام ہوئی
اب وہ حکایت عام ہوئی ہے سُنتا جا شرماتا جا
جینے کا ارمان کروں یا مرنے کا سامان کروں
عشق میں کیا ہوتا ہے ناصح عقل کی بات سمجھاتا جا
دونوں سنگِ راہِ طلب ہیں راہنما بھی منزل بھی
ذوقِ طلب! ہر ایک قدم پر دونوں کو ٹھکراتا جا
آخر تجھ کو بھی موت آئی، خیر حفیظ، خدا حافظ
لیکن مرتے مرتے پیارے وجۂ مرگ بتاتا جا

✢ ✢ ✢

کیوں ہجر کے شکوے کرتا ہے کیوں درد کے رونے روتا ہے
اب عشق کیا ہے تو صبر بھی کر، اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے
آغازِ مصیبت ہوتا ہے، اپنے ہی دل کی شرارت سے
آنکھوں میں پھول کھلاتا ہے، تلووں میں کانٹے بوتا ہے
احباب کا شکوہ کیا کیجے خود ظاہر و باطن ایک نہیں
لب اُوپر اوپر ہنستے ہیں، دل اندر اندر روتا ہے

ملاحوں کو الزام نہ دو، تم ساحل والے کیا جانو
یہ طوفاں کون اُٹھاتا ہے، یہ کشتی کون ڈبوتا ہے
کیا جانیئے یہ کیا کھوئے گا، کیا جانیئے یہ کیا پائے گا
مندر کا پجاری جاگتا ہے، مسجد کا نمازی سوتا ہے

٭ ٭ ٭

حُسن پابندِ رضا ہو، مجھے منظور نہیں
میں کہوں تم مجھے چاہو، مجھے منظور نہیں
پھر کبھی ضبطِ وفا ہو، مجھے منظور نہیں،
پھر کوئی دوست خفا ہو، مجھے منظور نہیں
جس نے اِس دَور کے اِنسان کیئے ہیں پیدا
وہی میرا بھی خدا ہو، مجھے منظور نہیں
حشر کے دِن مجھے سچ کہنے کی توفیق نہ دے
کوئی ہنگامہ بپا ہو، مجھے منظور نہیں
حُسن والے میرے قاتل ہیں یہ دعویٰ ہے میرا
حُسن والوں کو سزا ہو، مجھے منظور نہیں
دوستوں کو بھی ملے درد کی دولت یارب
میرا اپنا ہی بھلا ہو، مجھے منظور نہیں
اے بتو! تم پہ اندھا دھند رہے خلقِ خدا
اور خدا دیکھ رہا ہو، مجھے منظور نہیں

متفرق اشعار

ہائے کس درد سے کی ضبط کی تلقین مجھے
ہنس پڑے دوست جو میں نے کبھی رونا چاہا
آنے والے کسی طوفان کا رونا رو کر
ناخدا نے مجھے ساحل پہ ڈبونا چاہا

✣ ✣ ✣

عشق نہ ہو تو دِل لگی، موت نہ ہو تو خودکشی
یہ نہ کرے تو آدمی، آخر کار کیا کرے

✣ ✣ ✣

اب ابتدائے عشق کا عالم کہاں ہے حفیظ
کشتی میری ڈبو کے وہ ساحل اُتر گیا

✣ ✣ ✣

میرے ڈُوب جانے کا باعث تو پوچھو
کنارے سے ٹکرا گیا تھا سفینہ

✣ ✣ ✣

کیا ناخدا بغیر کوئی ڈُوبتا نہیں،
مُجھ کو میرے خدا سے پشیماں نہ کیجئے

ساغر نظامی
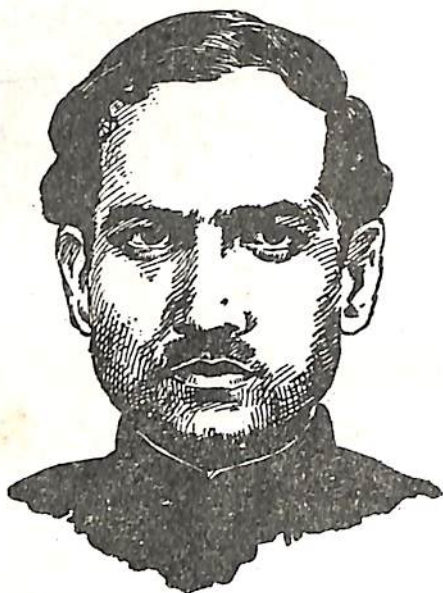
نام :۔ سردار محمد یار خاں

ولادت :۔ ۱۹۰۵ء

آسان نہیں اِس دُنیا میں خوابوں کے سہارے جی سکنا
سنگین حقیقت ہے دُنیا یہ کوئی سُنہرا خواب نہیں

مستی کا لہراتا پیکر سر سے پا تک کالے
موت کی وادی کے رکھوالے اے قہروں کے پالے
ابرِ سیاہ اُترا ہے زمین پر تازہ شبنم پینے
حبشی کوئی لوٹ رہا ہے یا موتی کے خزینے
میں بھی اک موتی کو اُٹھا
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بساؤں اے بامبی کے باسی

اپنی ہی مستی کی دُھن میں جھوم رہے ہو ایسے
جیسے کوئی دکھنی کنواری مدرا پی کر جھومے
اندھیاری درپن ہے تمہارا نور تمہارا ہالہ
رات کی دیوی کیا جنگل میں بھول گئی ہے مالا
اپنے گلے میں تم کو ڈالوں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بساؤں اے بامبی کے باسی

کُسم کی ٹہنی پر بھنورے نے پا ڈالا ہے ڈیرا
بن پتوں کی شاخ پہ یا کوئل نے رین بسیرا

بجلی سے معمور گھٹائیں اُمڈ رہی ہوں جیسے
یا ساون کی کالی راتیں سمٹ گئی ہوں جیسے
آؤ تم کو بین بتالوں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بامبی کے باسی

یا کوئی مغرور جوانی جھوم رہی ہو پی کر !!
یا طوفانوں میں لہرائے جیسے کالا ساگر
پاپ کی میٹھی اندھیاری ہو یا مستی کا سویرا
موت کی روشن تاریکی ہو یا جیون کا اندھیرا
اُمیدوں کا دیپ جلالوں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بامبی کے باسی

اے بامبی کے بسنے والے تم کیا ہو زہریلے
لاکھوں ناگ ہیں اِنسانوں میں گورے کالے پیلے
مُلّا، نیتا، پیر اور پنڈت، راجے، پانڈے، لالے
بستے ہیں دُنیا میں تم سے بڑھ کر ڈسنے والے
تم سے کیا میں من کو ڈساؤں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں اے بامبی کے باسی

وِش ہے تمہارا بوند برابر، اُن کا زہر سمندر
ڈنک تمہارا ویرانوں تک، اُن کا ڈسنا گھر گھر
تیرا کاٹا اِک دِن جیوے، اُن کا کاٹا پل بھر
سحر تمہارا سر پر بولے، اُن کا جادو من پر
من سے اُن کا زہر ہٹالوں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں، اے بامبی کے باسی

انسانی ناگوں کے بیاں ہوں کیا زہری افسانے
تیرا ڈسنا چھپ چھپ کر ہے، اُن کا کُھلے خزانے
ڈستے ہیں اور پھر ہنستے ہیں، موت نہ آنے پائے
تیرا وِش تو رکھتا ہے، ہر زخمی دِل پر پھائے
داروئے آلام چُرالوں
اے بامبی کے باسی
آؤ میں تن من میں بسالوں، اے بامبی کے باسی

بجھا ہوا دیپک

جیون کی کٹیا میں ہوں بجھا ہوا سا دیپک
آشا کے مندر میں ہوں میں بجھا ہوا سا دیپک
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں، بجھا ہوا سا دیپک

کجرائے دیپک پر دھرا ہوں یوں کٹیا میں ہائے
جیسے کوئل رسیس نوا کر امبوا پر سو جائے
جیسے شیاما گاتے گاتے کہرے میں کھو جائے
جیسے دیپک آگ میں اپنی آپ بھسم ہو جائے
برہ میں جیسے آنکھ کسی کنواری کی پتھرا جائے
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں، بجھا ہوا سا دیپک

آتم ہردے، جیون مرتیو، ست یگ، کلیگ، کایا
ہر رشتے پر میں نے اپنے نور کا جال بچھایا!
چاروں اور چمک کر اپنی کرنوں کو دوڑایا
جتنا ڈھونڈا اُتنا کھویا، کھو کر خاک نہ پایا
بیت گئے جگ لیکن ساغر مجھ تک کوئی نہ آیا
بجھا ہوا سا دیپک ہوں میں، بجھا ہوا سا دیپک

آخر بالکل بجھ جانے کی ہولی جب تیاری
آکر میرے کان میں بولی اِک شب یُوں اندھیاری
جگ میں جس کو کوئی نہ پُوچھے وہ قسمت کی ماری
من مندر میں مُجھ کو بِٹھا لو اے جیوتی کے رسیا
بُجھے ہُوئے سے دیپک تم، میں تھکی ہوئی اندھیاری
بُجھا ہُوا سا دیپک ہوں میں، بُجھا ہُوا سا دیپک

اندھیاری کی باتیں سُنکر من بولا — اُٹھ جاگ
یہی تیری منزل ہے دیپک، یہی ہیں تیرے بھاگ
بھڑک اُٹھی سینے میں بِرہ کی دبی ہوئی سی آگ
آشا کے مندر میں گُونجا اِک طوفانی راگ
آنکھوں میں جلتے آنسو تھے، ہونٹوں پر تپتی آہیں
ڈال دیں اندھیاری کے گلے میں رو کر میں نے باہیں
بُجھا ہُوا سا دیپک ہُوں میں، بُجھا ہوا سا دیپک

اختر شیرانی

ولادت: ۱۹۰۵ء   وفات: ۱۹۴۸ء   نام: محمد داؤد خاں

میرا ہر شعر ہے اختر مری زندہ تصویر
دیکھنے والوں نے ہر لفظ میں دیکھا ہے مجھے

کہتی ہیں سب "یہ کِس کی ترڑپا گئی ہے صُورت
سُلمیٰ، کی شاید اُس کے من بھا گئی ہے صُورت
اور اُس کے غم میں اُس کی مُرجھا گئی ہے صُورت
مُرجھا گئی ہے صُورت، کمُھلا گئی ہے صُورت
سنولا گئی ہے صُورت، سَلمیٰ سے دِل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بَدنام ہو رہا ہُوں

پنگھٹ پہ جبکہ ساری ہوتی ہیں جمع آ کر،
گاگر کو اپنی رکھ کر گھونگھٹ اُٹھا اُٹھا کر
یہ قِصّہ چھیڑتی ہیں مجُھ کو بتا بتا کر
"وہ سلمیٰ سے باتیں کرتے دیکھا ہے اِس کو جا کر"
ہم سے نظر بچا کر، سَلمیٰ سے دِل لگا کر
بستی کی لڑکیوں میں بَدنام ہو رہا ہُوں

راتوں کو گیت گانے جب مِل کے آتی ہیں سَب
تالاب کے کِنارے دُھومیں مچاتی ہیں سَب
جنگل کی چاندنی میں منگل مناتی ہیں سَب
تو میرے اور سَلمیٰ کے گیت گاتی ہیں سَب
اور ہنستی جَاتی ہیں سَب، سَلمیٰ سے دِل لگاکر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہُوں !!

کھیتوں سے لوٹتی ہیں جَب دِن چھپے مکاں کو
تب راستے میں باہم وہ میری داستاں کو
دہرا کے چھیڑتی ہیں سَلمیٰ کو میری جاں کو
اور وہ حیا کی ماری سی لیتی ہے زباں کو
کیا چھیڑے اِس بیاں کو، سَلمیٰ سے دِل لگاکر
بستی کی لڑکیوں میں بَدنام ہو رہا ہُوں

اِک شوخ چھیڑتی ہے اِس طرح پاس آکر
"دیکھو وہ آرہی ہے سَلمیٰ نظر بچاکر
شرما کے، مُسکرا کے، آنچل سے مُنہ چھپاکر
جاؤ نہ پیچھے پیچھے دو باتیں کرلو جاکر
کھیتوں میں چھپ چھپاکر" سلمیٰ سے دِل لگاکر
بستی کی لڑکیوں میں بدنام ہو رہا ہُوں

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اے عشق نہ چھیڑ آ آ کے ہمیں، ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم، تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں، یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بیداد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

جس دن سے ملے ہیں، دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہارِ صبح گئی، آنکھوں سے فروغِ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگیں نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

راتوں کو اُٹھ اُٹھ روتے ہیں، رو رو کے دعائیں کرتے ہیں
آنکھوں میں تصوّر دل میں خلش، سر دھنتے آہیں بھرتے ہیں
اے عشق یہ کیسا روگ لگا جیتے ہیں نہ ظالم مرتے ہیں
یہ ظلم تو اے جلّاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

یہ روگ لگا ہے جب سے ہمیں رنجیدہ ہوں میں بیمار ہے وہ
ہر وقت تپش ہر وقت خلش بے خواب ہوں میں بیدار ہے وہ
جینے سے اِدھر بیزار ہوں میں مرنے پہ اُدھر تیار ہے وہ
اور ضبط کہے فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

بیدرد ذرا انصاف تو کر اس عمر میں اور مغموم ہے وہ
پھولوں کی طرح نازک ہے ابھی تاروں کی طرح معصوم ہے وہ
یہ حسن ستم، یہ رنگ غضب، مجبور ہوں میں مظلوم ہے وہ
مظلوم پہ یوں بیداد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

اے عشق خدارا دیکھ کہیں وہ شوخ حزیں بدنام نہ ہو
وہ ماہ لقا بدنام نہ ہو، وہ زہرہ جبیں بدنام نہ ہو
ناموس کا اس کے پاس رہے، وہ پردہ نشیں بدنام نہ ہو
اس پردہ نشیں کو یاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

وہ راز ہے یہ غم آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں!
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں، آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

آج کی رات

کتنی شاداب ہے دُنیا کی فضا آج کی رات
کتنی سرشار ہے گلشن کی ہوا آج کی رات
کتنی فیاض ہے رحمت کی گھٹا آج کی رات
کس قدر خوش ہے خُدائی سے خدا آج کی رات
کہ نظر آئے گی وہ ماہ لقا آج کی رات

آج کیا بات ہے دُنیا کے نظارے خوش ہیں
باغ کے پھول سر چرخ ستارے خوش ہیں
ایک بے نام سی سرمستی کے مارے خوش ہیں
ایک ہیں خوش نہیں جتنے بھی ہیں سارے خوش ہیں
ہے خوشی چار طرف نغمہ سرا آج کی رات

غائبانہ جو ہمیں نامے لکھا کرتی تھی!
دُور سے ہم پہ جو دل اپنا فدا کرتی تھی
دادِ اشعار جو گمنام دیا کرتی تھی
ہو کے بے پردہ جو پردے میں رہا کرتی تھی
سامنے ہوگی وہ شوخِ ادا آج کی رات

داستانِ دلِ بیتاب سنائیں گے اُنہیں
آج روئیں گے گلے مل کے رُلائیں گے اُنہیں
خود ہی پھر رونے پہ ہنس دینگے، ہنسائینگے اُنہیں
اور جرأت کی تو سینے سے لگائیں گے اُنہیں

رنت نئے جذبے کی ہے نشو دنما آج کی رات

دِل کی رگ رگ میں ہے بیتاب محبت اُس کی
آنکھ کے پردے پہ لہراتی ہے صورت اُس کی
خلوتِ رُوح میں آباد ہے اُلفت اُس کی
میرے جذبات پہ طاری ہے لطافت اُس کی

اور کچھ یاد نہیں اس کے سِوا آج کی رات

لیکن اظہارِ خیالات کریں گے کیونکر ؟
شرم آتی ہے مُلاقات کرینگے کیونکر ؟
بات کرنی ہے مگر بات کرینگے کیونکر ؟
ختم یہ خواب کی سی رات کرینگے کیونکر ؟

آہ یہ آج کی یہ خوابنما آج کی رات

اے دِل ایسا نہ ہو کچھ بات بنائے نہ بنے ،
حالِ دِل جو بھی سُنانا ہے سُنائے نہ بنے
پاس آئیں تو مگر پاس بٹھائے نہ بنے
شرم کے مارے اُنہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
کہ تصوّر سے بھی آتی ہے حیا آج کی رات

یوں تو ہر طرح ادب مدِّ نظر رکھنا ہے
حسرتِ دِل کا لحاظ آج مگر رکھنا ہے
بے خودی ! دیکھ تجھے میری خبر رکھنا ہے
نازنیں قدموں پہ یوں ناز سے سر رکھنا ہے
کہ تڑپ اُٹھے دِل عرض و سماں آج کی رات

ہم میں کچھ جرأتِ گویائی بھی ہوگی کہ نہیں
ہمتِ ناصیہ فرسائی بھی ہوگی کہ نہیں
شرم سے دورِ شکیبائی بھی ہوگی کہ نہیں
یوسفِ دِل زلیخائی بھی ہوگی کہ نہیں
آج کی رات اُف ، او میرے خدا آج کی رات

مجاز لکھنوی

ولادت ۱۹۰۹ء : وفات ۱۹۵۵ء : نام اسرار الحق

چھپ گئے وہ سازِ ہستی چھیڑ کر
اب تو بس آواز ہی آواز ہے

آوارہ

شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں
جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی ہے کب تک دربدر مارا پھروں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی
رات کے ہاتھوں میں دن کی موہنی تصویر سی
میرے سینے پر مگر دہکی ہوئی شمشیر سی
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

یہ روپہلی چاندنی یہ آکاش پر تاروں کا جال
جیسے صوفی کا تصور جیسے عاشق کا خیال
آہ لیکن کون جانے، کون سمجھے جی کا حال
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

رات ہنس ہنس کے یہ کہتی ہے کہ میخانے میں چل
پھر کسی شہنازِ لالہ رخ کے کاشانے میں چل
یہ نہیں ممکن تو پھر اے دوست ویرانے میں چل
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

راستے میں رُک کے دم لے لوں میری عادت نہیں
لوٹ کر واپس چلا جاؤں میری فطرت نہیں!
اور کوئی ہمنوا مل جائے یہ قسمت نہیں

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

منتظر ہے ایک طوفانِ بلا میرے لئے
اب بھی جانے کتنے دروازے وا میرے لئے
پُر مصیبت ہے، میرا عہدِ وفا میرے لئے

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں آتا ہے کہ اب عہدِ وفا بھی توڑ دوں،
اُن کو پا سکتا ہوں میں، یہ آسرا بھی توڑ دوں
ہاں مناسب ہے، یہ زنجیر ہوا بھی توڑ دوں!

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

اِک محل کی آڑ سے نکلا ہے وہ پیلا ماہتاب
جیسے مُلا کا عمامہ جیسے بنیئے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی، جیسے بیوہ کا شباب

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

دل میں اِک شعلہ بھڑک اُٹھا ہے آخر کیا کروں
میرا پیمانہ چھلک اُٹھا ہے، آخر کیا کروں
زخم سینے کا مہک اُٹھا ہے آخر کیا کروں

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں آتا ہے یہ مردہ چاند تارے نوچ لُوں
اِس کنارے نوچ لُوں اور اُس کنارے نوچ لُوں
ایک دو کا ذِکر کیا، سارے کے سارے نوچ لُوں

اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دِل کیا کروں

مُفلسی اور یہ مظاہر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں سُلطانِ جابر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں چنگیز و نادر ہیں نظر کے سامنے

اے غمِ دِل کیا کروں، اے وحشتِ دِل کیا کروں

لے کے اِک چنگیز کے ہاتھوں سے خنجر توڑ دُوں
تاج پر اس کے دمکتا ہے جو پتھر توڑ دُوں
کوئی توڑے یا نہ توڑے میں ہی بڑھ کر توڑ دُوں

اے غمِ دِل کیا کروں، اے وحشتِ دِل کیا کروں

بڑھ کے اِس اندر سبھا کا ساز و ساماں پھونک دُوں
اس کا گلشن پھونک دُوں اس کا شبستاں پھونک دُوں
تختِ سُلطاں کیا، میں سارا قصرِ سُلطاں پھونک دُوں

اے غمِ دِل کیا کروں، اے وحشتِ دِل کیا کروں

اعتراف

اب میرے پاس تم آئی ہو تو کیا آئی ہو
میں نے مانا کہ تم اِک پیکرِ رعنائی ہو
چمنِ دہر میں رُوحِ چمن آرائی ہو !!
طلعتِ مہر ہو فردوس کی برنائی ہو
بنتِ مہتاب ہو گردوں سے اُتر آئی ہو

مجھ سے مِلنے میں اب اندیشۂ رسوائی ہے
میں نے خود اپنے کیئے کی یہ سزا پائی ہے

خاک میں آہ ملائی ہے جوانی میں نے
شعلہ زاروں میں جلائی ہے جوانی میں نے
شہرِ خوباں میں گنوائی ہے جوانی میں نے
خواب گاہوں میں جگائی ہے جوانی میں نے

حُسن نے جب بھی عنایت کی نظر ڈالی ہے
میرے پیمانۂ محبّت نے سِپر ڈالی ہے

اُن دِنوں مجھ پہ قیامت کا جنوں طاری تھا
سر پہ سرشاریٔ عشرت کا جنوں طاری تھا
مہ پاروں سے محبّت کا جنوں طاری تھا
شہریاروں سے رقابت کا جنوں طاری تھا

بسترِ مخمل و سنجاب تھی دُنیا میری
ایک رنگین و حسیں خواب تھی دُنیا میری

سنگ کو گوہرِ نایاب و گراں جانا تھا
دشتِ پرخار کو فردوسِ جواں جانا تھا
ریگ کو سلسلۂ آبِ رواں جانا تھا،
آہ یہ راز ابھی میں نے کہاں جانا تھا!

میری ہر فتح میں ہے ایک ہزیمت پنہاں
ہر مسرّت میں ہے رازِ غم و حسرت پنہاں

کیا سُنوگی میری مجرُوح جوانی کی پُکار ؟
میری فریادِ جگر دوز، میرا نالۂ زار ؟
شدّتِ کرب میں ڈُوبی ہُوئی میری گفتار
میں کہ خود اپنے مذاقِ طرب آگیں کا شکار

وہ گُدازِ دلِ مرحُوم کہاں سے لاؤں
اب میں وہ جذبۂ معصُوم کہاں سے لاؤں

میرے سائے سے ڈرو میری قربت سے ڈرو
اپنی جرأت کی قسم اب میری جرأت سے ڈرو
تم لطافت ہو اگر میری لطافت سے ڈرو
میرے وعدوں سے ڈرو میری محبّت سے ڈرو

اب میں الطاف و عنایت کا سزاوار نہیں
میں وفادار نہیں، ہاں میں وفادار نہیں

اب میرے پاس تم آئی ہو تو کیا آئی ہو

کچھ تجھ کو خبر ہے ہم کیا کیا اے شورشِ دوراں بھول گئے
وہ زُلفِ پریشاں بھول گئے، وہ دیدۂ گریاں بھول گئے
اے شوق نظارہ کیا کہیئے نظروں میں کوئی صُورت ہی نہیں
اے ذوقِ تصوّر کیا کیجے، ہم صُورتِ جاناں بھول گئے
اب گُل سے نظر مِلتی ہی نہیں، اب دل کی کلی کھِلتی ہی نہیں
اے فصلِ بہاراں رُخصت ہو، ہم لُطفِ بہاراں بھول گئے
سَب کا تو مداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے!
سَب کے تو گریباں سی ڈالے، اپنا ہی گریباں بھول گئے
یہ اپنی وفا کا عالم ہے، اب ان کی جفا کو کیا کہیئے
اِک نشترِ زہر آگیں رکھ کر نزدیک رگِ جاں بھول گئے

٭ ٭ ٭

جنونِ شوق اب بھی کم نہیں ہے
مگر وہ آج بھی برہم نہیں ہے
بہت مُشکل ہے دُنیا کا سنورنا
تیری زُلفوں کا پیچ و خم نہیں ہے

٭ ٭ ٭

یہ میرے عِشق کی مجبُوریاں معاذ اللہ
تمہارا راز تمہیں سے چھپا رہا ہُوں میں

٭ ٭ ٭

ہم عرضِ وفا بھی کر نہ سکے، کچھ کہہ نہ سکے کچھ سُن نہ سکے
ہاں ہم نے زباں ہی کھولی تھی، واں آنکھ جھکی شرما بھی گئے

* * *

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر
ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے

* * *

عشق کا ذوقِ نظارہ مُفت میں بدنام ہے
حُسن خود بدنام ہے جلوے دکھانے کیلئے

* * *

اپنا غم اوروں کو دے اوروں کا غم لینے سے کیا
تیری کشتی پار لگ جائیگی اِس کھینے سے کیا
بات تو جب ہے کہ مرجا عرصہ گاہِ رزم میں،
اس پہ دَم دینے سے کیا، اور اس پہ دم دینے سے کیا

* * *

واعظِ سادہ لوح سے کہدو چھوڑے عقبیٰ کی باتیں
اِس دُنیا میں رکھا کیا ہے، اِس دُنیا میں کیا ہوگا
تم بھی مجازؔ انسان ہو آخر لاکھ چھپاؤ عشق اپنا
یہ بھید مگر کھُل جائیگا یہ راز مگر افشاں ہوگا!

* * *

فیض احمد فیضؔ

ولادت : ۱۹۱۱ء　　　نام : فیض احمد

مقامِ فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

مجھ سے پہلی سی محبّت میری محبوب نہ مانگ

میں نے سمجھا تھا کہ تُو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے ؟
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دُنیا میں رکھا کیا ہے
تُو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبّت کے سوا !
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم ،
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی رستے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے اُدھر کو بھی نظر کیا کیجے
اب بھی دلکش ہے ترا حُسن مگر کیا کیجے
اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ

چند روز اور میری جان!

چند روز اور میری جان فقط چند روز

ظُلم کی چھاؤں میں دم لینے پہ مجبور ہیں ہم
اور کچھ دیر ظلم سہہ لیں، تڑپ لیں، رو لیں
اور اجداد کی میراث ہے معذور ہیں ہم
جسم پر قید ہے، جذبات پر زنجیریں ہیں!
فکر محبوس ہے گفتار پہ تعزیریں ہیں
اپنی ہمت ہے کہ ہم پھر بھی جئے جاتے ہیں
زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں!
لیکن اس ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اِک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

عرصۂ دہر کی اُلجھی ہوئی ویرانی میں!
ہم کو رہنا ہے مگر یوں ہی تو نہیں رہنا ہے
اجنبی ہاتھوں کا بے نام گرانبارِ ستم
آج سہنا ہے ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے
یہ تیرے حسن سے لپٹی ہوئی آلام کی گرد
اپنی دو روزہ جوانی کی شکستوں کا شمار
چاندنی راتوں کا بیکار دہکتا ہُوا درد
دل کی بے سُود تڑپ، جسم کی مایوس پکار

چند روز اور میری جان فقط چند روز

موضوعِ سخن

گُل ہوئی جاتی ہے افسردہ سُلگتی ہوئی شام
ڈھل کے نکلے گی ابھی چشمۂ مہتاب سے رات
اور مُشتاق نگاہوں کی سُنی جائے گی
اور اُن ہاتھوں سے مس ہونگے یہ ترسے ہوئے ہات

اُن کا آنچل ہے کہ رخسار کہ پیراہن ہے
کچھ تو ہے جس سے ہوئی جاتی ہے چلمن رنگیں
جانے اب زُلف کی موہوم گھنی چھاؤں میں
ٹمٹماتا ہے کوئی آویزہ ابھی تک کہ نہیں

آج پھر حُسنِ دلآرا کی وہی دھج ہوگی!
وہی خوابیدہ سی آنکھیں، وہی کاجل کی لکیر
رنگِ رُخسار پہ ہلکا سا وہ غازے کا غبار
صندلی ہاتھ پہ دُھندلی سی حِنا کی تحریر

اپنے افکار کی، اشعار کی، دُنیا ہے یہی
جانِ مضموں ہے یہی، شاہدِ معنیٰ ہے یہی

آج تک سُرخ و سیاہ صدیوں کے سائے کے تلے
آدم و حوّا کی اولاد پہ کیا گذری ہے
موت اور زیست کی روزانہ صف آرائی میں
ہم پہ کیا گزرے گی، اجداد پہ کیا گزری ہے

اِن دمکتے ہوئے شہروں کی فراواں مخلوق
کیوں فقط مرنے کی حسرت پہ جیا کرتی ہے
یہ حسیں کھیت پھٹا پڑتا ہے جوبن جن کا
کِس لئے اُن میں فقط بھوک اُگا کرتی ہے

یہ ہر اک سمت پُراسرار کڑی دیواریں!
جل بُجھے جن میں ہزاروں کی جوانی کے چراغ
یہ ہر اک گام پہ خوابوں کی مقتل گاہیں
جن کے پرتو سے چراغاں ہیں ہزاروں کے دماغ

یہ بھی ہیں کئی اور بھی مضمون ہوں گے
لیکن اس شوخ کے آہستہ سے کھلتے ہیں ہونٹ
ہائے اِس جسم کے کمبخت دلآویز خطوط
آپ ہی کہیئے کہیں ایسے بھی افسوں ہونگے
اپنا موضوعِ سخن اُن کے سوا اور نہیں
طبعِ شاعر کا وطن اُن کے سوا اور نہیں

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں!!
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا!
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیئے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفّل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے!
وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے
ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے
اِک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے
دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے
بھُولے سے مسکرا تو دیئے تھے وہ آج 'فیضؔ'
مت پوچھ ولولے دلِ ناکردہ کار کے

ن۔ م۔ راشد

ولادت سنہ ۱۹۱۰ء

نام : نور محمد

اے مری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں

انتقام

اس کا چہرہ اس کے خدوخال یاد آتے نہیں
اک شبستاں یاد ہے
اک برہنہ جسم آتشداں کے پاس
فرش پر قالین، قالینوں پہ سیج !
دھات اور پتھر کے بُت
گوشۂ دیوار میں ہنستے ہوئے
اور آتشداں کے انگاروں کا شور
اِن بُتوں کی بے حسی پہ خشمگیں
اُجلی اُجلی اُونچی دیواروں پہ عکس
ان فرنگی حاکموں کی یادگار
جن کی تلواروں نے رکھا تھا یہاں
سنگِ بُنیادِ فرنگ !

اس کا چہرہ اس کے خدّوخال یاد آتے نہیں
اِک برہنہ جسم اب تک یاد ہے
اجنبی عورت کا جسم
میرے ہونٹوں نے لیا تھا رات بھر
جس سے اربابِ وطن کی بے بسی کا انتقام
وہ برہنہ جسم اب تک یاد ہے۔

رقص

اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں
ڈر سے لرزاں ہوں کہیں ایسا نہ ہو
رقص گاہ کے چور دروازے سے آ کر زندگی
ڈھونڈ لے مجھ کو نشاں پا لے میرا
اور جرمِ عیش کرتے دیکھ لے

اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے
رقص کی یہ گردشیں
ایک مبہم آسیہ کے دور ہیں
کیسی سرگرمی سے غم کو روندتا جاتا ہوں میں
جی میں کہتا ہوں کہ ہاں
رقص گہ میں زندگی کے جھانکنے سے بیشتر
کلفتوں کا سنگ ریزہ ایک بھی رہنے نہ پائے

اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے
زندگی میرے لئے
ایک خونیں بھیڑیئے سے کم نہیں

اے حسین و اجنبی عورت، اسی کے ڈر سے میں
ہو رہا ہوں لمحہ لمحہ اور بھی تیرے قریب
جانتا ہوں تو میری جاں بھی نہیں
تجھ سے مِلنے کا پھر امکاں بھی نہیں
تو مگر ان آرزوؤں کی مگر تمثیل ہے
جو رہیں مجھ سے گریزاں آج تک
اے میری ہم رقص مجھ کو تھام لے
عہدِ پارینہ کا میں انسان نہیں
بندگی سے اِس درو دیوار کی
ہو چکی ہیں خواہشیں بے ساز و رنگ و ناتواں
جسم سے تیرے لپٹ سکتا تو ہوں
زندگی پر میں جھپٹ سکتا نہیں
اِس لئے اب تھام لے
اے حسین و اجنبی عورت! مجھے اب تھام لے

بیکراں رات کے سنّاٹے میں

تیرے بستر پہ میری جان کبھی
بیکراں رات کے سناٹے میں
جذبۂ شوق سے ہو جاتے ہیں اعضا مدہوش
اور لذّت کی گرانباری سے
ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی ویرانے کی
اور کہیں اس کے قریب
نیند آغازِ زمستاں کے پرندے کی طرح
خوف دِل میں کسی موہوم شکاری کے لئے
اپنے پر تولتی ہے، چیختی ہے
بیکراں رات کے سناٹے میں

تیرے بستر پہ میری جان کبھی
آرزوئیں تیرے سینے کے کہستانوں میں
ظلم سہتے ہوئے حبشی کی طرح رینگتی ہیں
ایک لمحے کے لئے دِل میں خیال آتا ہے
تو میری جان نہیں

بلکہ ساحل کے کسی شہر کی دوشیزہ ہے
اور تیرے مُلک کے دشمن کا سپاہی ہُوں میں
ایک مُدت سے جسے ایسی کوئی شب نہ ملی
کہ ذرا روح کو اپنی وہ سبکبار کرے
بے پناہ عیش کے ہیجان کا ارماں لے کر
اپنے دستے سے کئی روز سے مفرور ہُوں میں
یہ مرے دل میں خیال آتا ہے
تیرے بستر پہ مری جان کبھی
بیکراں رات کے سنّاٹے میں

معین احسن جذبی

ولادت : ۱۹۱۲ء   نام : معین احسن

اِک طرف لب نہیں کھُلتے ہیں فرطِ یاس سے
اِک طرف جذبی مجھے، شوقِ غزلخوانی بھی ہے

اپنی سوئی ہوئی دُنیا کو جگالوں تو چلوں
اپنے غم خانے میں اِک دھوم مچالوں تو چلوں
اور اِک جامِ مئے تلخ چڑھالوں تو چلوں
ابھی چلتا ہوں ذرا خود کو سنبھالوں تو چلوں!

جانے کب پی تھی ابھی تک ہے مئے غم کا خمار
دُھندلا دُھندلا نظر آتا ہے جہانِ بیدار
آندھیاں چلتی ہیں دُنیا ہوئی جاتی ہے غبار
آنکھ تو مل لُوں ذرا ہوش میں آلُوں تو چلوں

وہ میرا سحر وہ میرا اعجاز کہاں ہے، لانا!
میری کھوئی ہوئی آواز کہاں ہے، لانا!
میرا ٹُوٹا ہوا وہ ساز کہاں ہے، لانا!
اِک ذرا گیت بھی اس ساز پر گالوں تو چلوں

میں تھکا ہارا تھا، اِتنے میں جو آئے بادل
کِسی متوالے نے چُپکے سے بڑھا دی بوتل
اُف وہ رنگین پُراسرار خیالوں کے محل
ایک دو چار محل اور بنالوں تو چلوں!

مُجھ سے کچھ کہنے کو آئی ہے میرے دِل کی جلن
کیا کیا میں نے زمانے میں نہیں جس کا چلن
آرزوؤ! تم نے تو بیکار بھگویا دامن!!
اپنے بھیگے ہُوئے دامن کو سُکھالوں تو چلوں
میری آنکھوں میں ابھی تک ہے محبّت کا غرُور
میرے ہونٹوں کو ابھی تک ہے شرافت کا غرُور
میرے ماتھے پر ابھی تک ہے شرافت کا غرُور
ایسے وہموں سے بھی اب خود کو نکالوں تو چلوں

غزل

انتہائے غم میں مجھ کو مُسکرانا آگیا
ہاتھ اخفائے محبّت کا بہانہ آگیا
اِس طرف اِک آشیانے کی حقیقت کھُل گئی
اُس طرف اِک شوخ کو بجلی گرانا آگیا
رو دِئے وہ خود بھی میرے گریۂ پیہم پہ آج
اب حقیقت میں مجھے آنسو بہانا آگیا
میری خاکِ دل بھی آخر اُن کے کام آ ہی گئی
کچھ نہیں تو اُن کو دامن ہی بچانا آگیا
وہ خراشِ دِل جو آخر اُن کے کام آ ہی گئی
آج اُسے بھی زخم بن کر مُسکرانا آگیا

فطرت ایک مُفلس کی نظر میں

فطرت کے پجاری کچھ تو بتا، کیا حُسن ہے اِن گلزاروں میں
ہے کون سی رعنائی آخر، اِن پھولوں میں، اِن خاروں میں
وہ خواہ سُلگتے ہوں شب بھر، وہ خواہ چمکتے ہوں شب بھر!
میں نے بھی تو دیکھا ہے اکثر، کیا بات نئی ہے تاروں میں
اِس چاند کی ٹھنڈی کرنوں سے تجھ کو تو سکوں ہوتا ہی نہیں
مجھ کو تو جنوں ہوتا ہی نہیں، جب پھرتا ہوں گلزاروں میں
یہ چُپ چُپ نرگس کی کلیاں، کیا جانے کیسی کلیاں ہیں
جو کِھلتی ہیں جو ہنستی ہیں اور پھر بھی ہیں بیماروں میں
یہ لال شفق یہ لالہ و گل اِک چنگاری بھی جن میں نہیں
شعلے بھی نہیں گرمی بھی نہیں ہے تیرے آتشزاروں میں
اس وقت کہاں تو ہوتا ہے جب موسمِ گرما کا سورج
دوزخ کی تپش بھر دیتا ہے، دریاؤں میں کہساروں میں
جاڑے کی بھیانک راتوں میں وہ سرد ہواؤں کی تیزی!
ہاں وہ تیزی، وہ بے مہری جو ہوتی ہے تلواروں میں
دریا کے تلاطم کا منظر ہاں تجھ کو مبارک ہو لیکن
اِک ٹوٹی پھوٹی کشتی بھی چکراتی ہے منجدھاروں میں

کوئیل کے رسیلے گیت سُنے لیکن یہ کبھی سوچا تو نے !
ہیں اُلجھے ہوئے نغمے کتنے اِک ساز کے ٹوٹے تاروں میں
بادل کی گرج بجلی کی چمک بارش میں وہ تیزی تیروں کی
میں ٹھٹھرا سمٹا سڑکوں پر تو جام بہ لب میخانوں میں
سب ہوش و خرد کے دُشمن ہیں، سب قلب و جگر کے رہزن ہیں
رکھا ہے بھلا کیا اس کے سوا اِن راحتِ جاں مہ پاروں میں
وہ لاکھ ہلالوں سے بھی حسیں، کیسی زہرہ کیسی پروین
اِک روٹی کا ٹکڑا جو کہیں مل جائے مجھے بازاروں میں
جب جیب میں پیسے بجتے ہیں جب پیٹ میں روٹی ہوتی ہے
اس وقت یہ ذرہ ہیرا ہے اُس وقت یہ شبنم موتی ہے

غزل

شریکِ محفلِ دار و رسن کچھ اور بھی ہیں
ستم گرو ! ابھی اہلِ کفن اور بھی ہیں

رواں دواں یونہی اے ننھی بوندیوں کے ابر
کہ اس دیار میں اُجڑے چمن کچھ اور بھی ہیں

خدا کرے نہ تھکیں حشر تک جنوں کے پاؤں
ابھی مناظرِ دشت و دمن کچھ اور بھی ہیں !!

خدا کرے میری واماندگی کو غیرت آئے
ابھی منازلِ رنج و محن کچھ اور بھی ہیں !

ابھی سموم نے مانی کہاں نسیم سے ہار
ابھی تو معرکہ ہائے چمن کچھ اور بھی ہیں !
ابھی تو ہیں دلِ شاعر میں سینکڑوں ناسور
ابھی تو معجزہ ہائے سخن کچھ اور بھی ہیں !!
دِل گداز نے آنکھوں کو دے دِئے آنسو
یہ جانتے ہوئے غم کے چلن کچھ اور بھی ہیں

٭ ٭ ٭

اِک یاس بھرے دِل پر نہ ہوئی، تاثیر تمہاری نظروں کی
اِک موم کے بے حس ٹکڑے پر یہ نازک خنجر ٹوٹ گئے
میری ہی نظر کی مستی سے سب شیشہ و ساغر رقصاں تھے
میری ہی نظر کی گرمی سے سب شیشہ و ساغر ٹوٹ گئے

٭ ٭ ٭

کیا تجھ کو پتہ کیا تجھ کو خبر دن رات خیالوں میں اپنے
اے کاکلِ گیتی ! ہم تجھ کو جس طرح سنوارا کرتے ہیں
اے موجِ بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

٭ ٭ ٭

جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنّا کس کو تھی
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنّا کون کرے

جاں نثار اختر

ولادت ۱۹۱۴ء　　　　نام : جاں نثار

اور دو چار مراحل سے گزرنا ہے تو کیا
اپنی منزل کی طرف ہم کو بڑھے دیر ہوئی

مراحل

ایک لمحے کے لئے وقت کی گردش نہ تھمی
حسبِ دستور مہ و سال بدلتے ہی رہے
ایک لو، ایک لگن، ایک لپک دِل میں لئے
ہم محبت کی کٹھن راہ پہ چلتے ہی رہے

کتنے پُرپیچ مراحل کو کیا طے ہم نے
وادیاں کتنی ملیں بیچ میں دُشوار گُذار
سینکڑوں سنگِ گراں راہ میں حائل تھے مگر
ایک لمحے کو بھی ٹوٹی نہ جنوں کی رفتار

آج اُبھرے ہیں وہ گھنگھور اندھیرے لیکن
جن میں ڈھونڈے سے بھی ملتے نہیں راہوں کے سُراغ
وہ اندھیرے کہ نکلتے ہوئے ڈرتی ہو نگاہ
سامنے ہو تو نظر آئے نہ منزل کا چراغ

تجھ سے برہم نہ ہو اے دوست کہ میری نظریں
کیا ہُوا پیچ و خم راہ میں اُلجھی ہیں اگر !!
رودِ کہسار کی ہر لمحہ بھٹکتی موجیں،
اپنی منزل کی طرف ہی تو رہیں گرمِ سفر

مجھ سے برگشتہ نہ ہو تو کہ مرا دل ہے وہی
کیا ہوا فکر کے چھائے ہیں جو گہرے بادل
چشمِ ظاہر سے جو چھپ جائے تو چھپ جانے دو
ابر میں بجھ نہیں جاتی ہے قمر کی مشعل،

مجھ سے بیزار نہ ہو تو کہ مرے ذہن میں آج
کیا ہوا صرف جو بیدار ہے منزل کا خیال
موجۂ صبح کی خاطر ہی تو بنتا ہے فلک
ظلمتِ شب میں یہ تاروں کا چمکتا ہوا جال

میرے چہرے پہ جو ہے وقت کا شبگوں پرتو
ہے اسی عکس سے دھندلا ترا آئینۂ دل
آ کہ یہ لمحۂ حاضر نہیں حاصل اپنا
ہے پرے آج کی ظلمات سی اپنی منزل

اِن دھواں دھار اندھیروں سے گزرنے کیلئے
خونِ دل سے کوئی مشعل تو جلانی ہو گی!
عشق کے رفتہ و سرگشتہ جنوں کو اے دوست
زندگانی کی ادا آج سکھانی ہو گی!!

۲۵ر دسمبر

یہ ترے پیار کی خوشبو سے مہکتی ہوئی رات
اپنے سینے میں چھپائے تیرے دِل کی دھڑکن
آج پھر تیری ادا سے میرے پاس آئی ہے
اپنی آنکھوں میں تیری زُلف کا ڈالے کاجل!
اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے ارمانوں کے خواب!
اپنے آنچل پہ تمنّا کے ستارے ٹانکے
گنگناتی ہوئی یادوں کی لوئیں جاگ اُٹھیں،
کِتنے گذرے ہُوئے لمحوں کے چمکتے جُگنو
دِل کے حالے میں لئے ناچ رہے ہیں کب سے
کِتنے لمحے جو تیری زُلف کے سائے کے تلے
غرق ہو کر تیری آنکھوں کے حزیں ساگر میں
گم دوراں سے بہت دُور گذارے میں نے
کِتنے لمحے کہ تیری پیار بھری نظروں میں
کِس سلیقے سے سجائی میرے دِل کی محفل
کِس قرینے سے سکھایا مجھے جینے کا شعور
کِتنے لمحے کہ حسیں نرم سبک آنچل سے
تو نے بڑھ کر میرے ماتھے کا پسینہ پونچھا
چاندنی بن گئی راہوں کی کڑی دُھوپ [illegible]

کتنے لمحے کہ غمِ زیست کے طوفانوں میں
زندگانی کی جلائے ہوئے باغی مشعل
تُو میرا عزمِ جواں بن کے میرے ساتھ رہی
کتنے لمحے کہ غمِ دل سے اُبھر کر ہم نے
اِک نئی صبحِ محبت کی لگن اپنائی
ساری دُنیا کے لئے، سارے زمانے کیلئے
انہیں لمحوں کا گل آویز شراروں کا تجھے
گوندھ کر آج کوئی ہار پہنا دوں آجا
چُوم کر مانگ تیری تجھ کو سجا دوں آجا
(یہ نظم اختر نے اپنی بیوی کی موت پر لکھی تھی)

❀ ❀ ❀

رُباعی

آنکھیں جو ملیں، کچھ ترے کاجل نے کہا!
اُڑتے ہوئے کچھ زُلف کے بادل نے کہا
وہ راز جو کہہ نہ سکا کھُل کر کوئی!!
وہ تیرے لپٹے ہوئے آنچل نے کہا

قطعات

یہ کِس کا ڈھلک گیا ہے آنچل؟
تاروں کی نگاہ جھک گئی ہے،
یہ کِس کی مچل گئی ہیں زُلفیں،
جاتی ہوئی رات جھک گئی ہے

٭ ٭ ٭

حُسن کا عِطر، جسم کا صندل،
عارضوں کے گلاب، زُلف کا عود
بعض اوقات سوچتا ہوں میں
ایک خوشبو ہے صرف تیرا وجُود

٭ ٭ ٭

یوں اُس کے حسین عارضوں پر
پلکوں کے لچک رہے ہیں سائے
چھٹکی ہوئی چاندنی میں 'اختر'
جیسے کوئی آڑ میں بُلائے

سردار جعفری

نام : علی سردار جعفری　　ولادت : ۱۹۱۳ء

وجد میں ہے بزمِ گیتی ، رقص میں ہے کائنات
شاعری کو جانتے ہیں ، نعرۂ مستانہ ہم

پتّھر کی دیوار

کیا کہوں بھیانک ہے
یا حسین ہے یہ منظر
خواب ہے کہ بیداری
کچھ پتہ نہیں چلتا
پھول بھی ہیں سائے بھی
خاک بھی ہے پانی بھی
آدمی بھی محنت بھی
گیت بھی ہیں آنسو بھی
پھر بھی ایک خاموشی
رُوح و دِل کی تنہائی
اِک طویل سنّاٹا
جیسے سانپ لہرائے
ماہ و سال آتے ہیں
اور دِن نکلتے ہیں

جیسے دِل کی بستی سے
اجنبی گزر جائے

چیختی ہُوئی گھڑیاں
زخم خوردہ طائر ہیں!
نرم رو شبک لمحے
منجمد ستارے ہیں
رنگینی ہیں تاریخیں!
روز و شب کی راہوں پر
ڈھونڈتے ہیں چشم و دِل
نقشِ پا نہیں ملتے
زندگی کے گلدستے
زیبِ طاقِ نسیاں ہیں
تیتیوں کی پلکوں پر!

اوس جگمگاتی ہے !
اِملیوں کے پیڑوں پر
دُھوپ پر سکھاتی ہے
آفتاب ہنستا ہے
مُسکراتے ہیں تارے
چاند کے کٹورے سے
چاندنی چھلکتی ہے
جیل کی فضاؤں میں
پھر بھی اِک اندھیرا ہے
جیسے ریت میں گر کر
دُودھ جذب ہو جائے
روشنی کے گالوں پر
تیرگی کے ناخن کی
سینکڑوں خراشیں ہیں

پتھروں کی دیواریں
بارکوں کی تعمیریں

اژدہوں کے پیکر میں
جو نئے اسیروں کو
رات دن نگلتے ہیں
ان کے پیٹ کا دوزخ
کوئی بھر نہیں سکتا

پتھروں کی دیواریں !
بھوک کا بھیانک رُوپ
چکیوں کے بھدّے راگ
روٹیوں کے دانتوں میں
ریت اور کنکر ہیں
دال کے پیالوں میں
زرد زرد پانی ہے
چاولوں کی صُورت پر
مفلسی برستی ہے
سبزیوں کے زخموں سے
پیپ سی ٹپکتی ہے

پتھّروں کی دیواریں،
درد و غم کے پیروں میں
آنسوؤں کی زنجیریں
بے بسی کی محفل میں
حسرتوں کی تقریریں
رسیّوں کی گانٹھوں میں
بازوؤں کی گولائی!
نیم جاں قدموں میں
بیڑیوں کی شہنائی
ہتھکڑی کے حلقوں میں
ہاتھ کسمساتے ہیں،
پھانسیوں کے پھندوں میں
گردنیں تڑپتی ہیں!

پتھّروں کی دیواریں
جو کبھی نہیں روتیں
جو کبھی نہیں ہنستیں!

ان کے سخت چہروں پر
رنگ ہے نہ غازہ ہے
کھُردرے لبوں پر صرف
بے حسی کی مہریں ہیں

پتھّروں کی دیواریں
پتھّروں کے سینے میں
جن میں خُون کے قطرے
دُودھ بن نہیں سکتے
پتھّروں کے دفتر میں
پتھّروں کی مثلیں ہیں!
پتھّروں کے جیلر ہیں
وارڈ ہیں پتھّر کے
پتھّروں کے نمبردار
پتھّروں کی دیواریں
پتھّروں کے فرش اور چھت
پتھّروں کی محرابیں!

پتھّروں کے بازو ہیں
پتھّروں کے دروازے
پتھّروں کی انگڑائی!
پتھّروں کے پنجوں میں
آہنی سلاخیں ہیں

اور اِن سلاخوں میں
حسرتیں، تمنّائیں
آرزوئیں، اُمیدیں
خواب اور تعبیریں
اشک، پھول اور شبنم
چاند کی جواں نظریں،
دُھوپ کی سُنہری زُلف
بادلوں کی پرچھائیں
صُبح و شام کی پریاں
موسموں کی لیلائیں
سُولیوں پہ چڑھتی ہیں

اور اِس اندھیرے میں
سُولیوں کے سائے میں
انقلاب پلتا ہے
تیرگی کے کانٹوں پر!
آفتاب چلتا ہے
پتھّروں کے سینے سے
سُرخ ہاتھ اُگتے ہیں
ہاتھ ہیں کہ تلواریں!
رات کی سیاہی میں
جیسے شمع جلتی ہے
اُنگلیاں فروزاں ہیں!
پارکوں کے کانوں سے
سازشیں نکلتی ہیں!
خامشی کی نبضوں میں
گھنٹیاں سی بجتی ہیں!

جانے کیسے قیدی ہیں

کِس جہاں سے آئے ہیں
ناخنوں میں کیلیں ہیں
ہڈّیاں شکستہ ہیں!
نوجوان جسموں پر!
پیرہن ہیں زخموں کے
لینننی جبینوں پر!!
خُون کی لکیریں ہیں
اشک آگ کے قطرے
سانس تند آندھی ہے
بات ہے کہ طوفاں ہے
ابروؤں کی جُنبش میں،
عزم مُسکراتے ہیں!
اور نگہہ کی لرزش میں
حوصلے مچلتے ہیں!
تیوروں کی شکنوں میں
نقشِ پا بغاوت کے
جتنا ظلم سہتے ہیں
اور مُسکراتے ہیں
جتنے دُکھ اُٹھاتے ہیں
اور گیت گاتے ہیں
زہر اور چڑھتا ہے
ظالموں کی شدّت پر
ظُلم چیخ اُٹھتا ہے
اُن کے لب نہیں ہلتے
ان کے سر نہیں جُھکتے
اِک صدا نکلتی ہے
"انقلاب زِندہ باد"

خاک کے بیٹے
کھیتوں کے رکھوالے
ہاتھ کارخانوں کے
انقلاب کے شہہ پر
کارل مارکس کے شاہین
پتھروں کی کوروں پر

آندھیوں کی راہوں میں
بجلیوں کے طوفاں میں
گولیوں کی بارش میں
سر اُٹھائے بیٹھے ہیں

انقلاب ساماں ہے
ہند کی فضا ساری
نزع کے ہے عالم میں
یہ نظامِ زرداری
وقت کے محل میں ہے
جشنِ نو کی تیاری
جشنِ عام جمہوری !
اقتدارِ مزدوری،

غرقِ آتش و آہن
بے کسی و مجبوری !
مُفلسی و ناداری !

تیرگی کے بادل سے
جگنوؤں کی بارش سے
رقص میں شرارے ہیں
ہر طرف اندھیرا ہے
اور اِس اندھیرے میں
ہر طرف شرارے ہیں
کوئی کہہ نہیں سکتا
کون سا شرارہ کب
بیقرار ہو جائے،
شعلہ بار ہو جائے
انقلاب آ جائے

انتظار نہ کر!

میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر
مگر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

عجب گھڑی ہے میں اس وقت آ نہیں سکتا
سرورِ عشق کی دُنیا بسا نہیں سکتا
میں تیرے سازِ محبت پہ گا نہیں سکتا،

میں تیرے پیار کے قابل نہیں ہوں پیار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

خراج اپنی جوانی سے لے رہا ہوں میں
سفینہ خون کے دریا میں کھے رہا ہوں میں
صدا اجل کے فرشتے کو دے رہا ہوں میں

بس اب نوازشِ پیہم سے شرمسار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر

عذارِ نرم پہ رنگِ بہار رہنے دے
نگاہِ شوق میں برق و شرار رہنے دے
لبوں پہ خندۂ بے اختیار رہنے دے

متاعِ حسن و جوانی کو سوگوار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر!

شکستِ ساز کی، ٹوٹے ہوئے سبو کی قسم
دھڑکتے دل کی، ٹپکتے ہوئے لہو کی قسم،
تجھے وطن کے شہیدوں کی آبرو کی قسم

اب اپنے دیدۂ نرگس کو اشکبار نہ کر
نہ کر خدا کے لئے میرا انتظار نہ کر!

عبدالحمید عدمؔ

ولادت : سنہ ۱۹۰۹ء　　　نام : عبدالحمید

میں میکدے کی راہ سے ہو کر نکل گیا
ورنہ سفرِ حیات کا کافی طویل تھا!

غزلیں

میکدہ تھا، چاندنی تھی میں نہ تھا
اِک مجسم بے خودی تھی میں نہ تھا

عشق جب دم توڑتا تھا تم نہ تھے
موت جب سر دُھن رہی تھی میں نہ تھا

طور پر چھیڑا تھا جس نے آپکو
وہ میری دیوانگی تھی میں نہ تھا

وہ حسیں بیٹھا تھا جب میرے قریب
لذّتِ ہمسائیگی تھی میں نہ تھا!

میکدے کے موڑ پر رُکتی ہوئی!
مُدتوں کی تشنگی تھی میں نہ تھا!

میں اور اس غنچہٗ دہن کی آرزو
آرزو کی سادگی تھی میں نہ تھا

گیسوؤں کے سائے میں آرام کش
سر برہنہ زندگی تھی میں نہ تھا

دیر و کعبہ میں عدمؔ حیرت فروش
دو جہاں کی بدظنی تھی میں نہ تھا

سر رہ گیا ہے دوش پہ اور دِل نہیں رہا
کیا اِس جہان میں کوئی قاتل نہیں رہا
اے چشمِ یار اب نہ تغافل نہ التفات
کیا میں کِسی سلوک کے قابل نہیں رہا
اے ناخدا! سفینہ کا اب کوئی غم نہ کر
ہم فرض کر چکے ہیں کہ ساحل نہیں رہا
پردہ اُٹھا کہ اب میری مستی ہے بے پناہ
جس سے تجھے حیا تھی وہ حائل نہیں رہا
کچھ تو ترے خلوص کی تعظیم تھی عدمؔ
ورنہ وہ جان بوجھ کر غافل نہیں رہا

٭ ٭

خالی ہے ابھی جام میں کچھ سوچ رہا ہوں
اے گردشِ ایام میں کچھ سوچ رہا ہوں!
ساقی تجھے تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی
ساغر کو ذرا تھام میں کچھ سوچ رہا ہوں
پہلے بڑی رغبت تھی تیرے نام سے مجھکو
اب سُن کے تیرا نام میں کچھ سوچ رہا ہوں
حل کچھ تو نکل آئے گا حالات کی ضد کا
اے کثرتِ آلام میں کچھ سوچ رہا ہوں

دِل ہے بڑی خوشی سے اسے پائمال کر
لیکن ترے نثار ذرا دیکھ سنبھال کر

اِتنا تو دلفریب نہ تھا دامِ زندگی
لے آئے اعتبار کے سانچے میں ڈھال کر

ساقی میرے خلوص کی شدّت کو دیکھنا
پھر آگیا ہوں گردشِ دوراں کو ٹال کر!

اے دوست تیری زُلفِ پریشاں کی خیر ہو
میری تباہیوں کا نہ اِتنا خیال کر

لایا ہُوں یوں بچا کے حوادث سے زیست کو
لاتے ہیں جیسے کدہ سے چشمہ نِکال کر

تھوڑے سے فاصلے میں بھی حائل ہیں لغزشیں
ساقی سنبھالکر، میرے ساقی سنبھال کر

ہم سے 'عدمؔ' چھپاؤ تو خود بھی نہ پی سکو
رکھا ہے تم نے کچھ تو صُراحی میں ڈال کر

❖ ❖ ❖

آئے تھے مجھ سے ملنے مگر میں نہ جب مِلا
وہ میری بے خودی سے مُلاقات کر گئے

میں عُمر بھر 'عدمؔ' نہ کوئی دے سکا جواب
وہ اِک نظر میں اِتنے سوالات کر گئے

احمد ندیم قاسمی

ولادت : سنہ ۱۹۱۶ء
نام : احمد ندیم

نوجواں سینوں میں مستقبل کی کرتا ہوں تلاش
مقبروں میں ڈھونڈتا ہوں گذرے وقتوں کے قدم

رات کی بات

میرے خوابوں کے دریچوں سے یہ جھانکا کس نے
نیند کی جھیل پہ یہ کس نے کنول پھیلائے
لال پوروں میں یہ آنچل کا کنارا تھامے
کس نے پائل کی مدھر تال پہ دوہے گائے

سونی سونی سی آنکھیں ہیں ادھورے سپنے
خلوت دل میں چھپا رکھتے ہیں جن کی جھنکار
مرمریں گالوں پہ روشن ہیں شفق رنگ دیئے
جو چمکتے ہیں خیالوں کی ندی کے اُس پار

وہی سنجیدہ سا اک لوچ ہے ہنگام خرام
جیسے بدلی ہوئی ساون کی اکیلی بدلی
رُخ رنگیں پہ وہ ہلکا سا تفکر جیسے!!
سیپی لہروں میں نظر آتی ہے گدلی گدلی

ان گنت نظروں سے بچتی ہوئی تو آئی ہے
اپنے ٹھکرائے ہوئے دوست کا جی بہلانے
وہی عنواں ہیں کمانوں سی بھوؤں میں مستور
مجھ سے جن پر ابھی لکھے نہ گئے افسانے

انگلیوں میں وہ ستاروں کی تپیاں بے چینی
مسکراہٹ میں گجر دم کی خنک رعنائی
کالے بالوں میں وہ موہوم سنہری لہریں
جیسے جلتے ہوئے جنگل میں چلے پُروائی

ہائے وہ لمس، وہ اِک گونج، وہ اِک واویلا
وہ دھندلکوں میں پگھلتے ہوئے پتلے سائے
وادیٔ خواب میں وہ سرمدِ دنیائے شعور
جیسے بھرپور بہاروں میں خزاں آجائے

دھجیاں بن کے اُڑا رات کا پیراہن تار
تارے ٹکرائے خلاؤں میں فضا چکرائی
بیٹھی نیندوں کو کترتی ہوئی کرنیں لپکیں
خون کا طشت لئے صبح کی دیوی آئی

٭ ٭ ٭ ٭

سانولا سلونا

ڈھول بجتے ہیں، دنادن کی صدا آتی ہے
فصل کٹتی ہے، لچکتی ہے، بچھی جاتی ہے
نوجواں گاتے ہیں جب سانولے محبوب کا گیت
ایک دوشیزہ ٹھٹھک جاتی ہے، شرماتی ہے

وقت

سر بہ آوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
چاند بلور کی ٹوٹی ہوئی چوڑی کی طرح اٹکا ہے
دامنِ کوہ کی اک بستی میں
ٹمٹماتے ہیں مزاروں کے چراغ
آسماں سرمئی فرغل میں ستارے ٹانکے
سمٹا جاتا ہے، جھکا جاتا ہے
وقت بیدار نظر آتا ہے

سر بہ آوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
صبح کی نقرئی تنویر رچی جاتی ہے۔
دامنِ کوہ میں بکھرے ہوئے کھیت
لہلہاتے ہیں تو دھرتی کے تنفس کی صدا آتی ہے
آسماں کتنی بلندی پہ ہے اور کتنا عظیم
نئے سورج کی شعاعوں کا مصفّا آنگن
وقت بیدار نظر آتا ہے

سر بہ آوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
آفتاب ایک الاؤ کی طرح روشن ہے

دامنِ کوہ میں چلتے ہوئے ہل
سینۂ دہر پہ انسان کی جبروت کی تاریخ رقم کرتے ہیں
آسماں تیز شعاعوں سے ہے اِس درجہ گداز
جیسے چھُونے سے پگھل جائے گا
وقت تیار نظر آتا ہے

سر بہ آوردہ صنوبر کی گھنی شاخوں میں
زندگی کِتنے حقائق کو جنم دیتی ہے
دامنِ کوہ میں پھیلے ہوئے میدانوں پر
ذوقِ تخلیق نے اعجاز دِکھائے ہیں، لہُو اُگلا ہے
آسماں گردشِ ایام کے ریلے سے ہراساں تو نہیں
خیر مقدم کے بھی انداز ہُوا کرتے ہیں
وقت کی راہ پہ موڑ آتے ہیں، منزل تو نہیں آسکتی

٭ ٭

لاچاری

شہنائیوں کے شور میں ڈُوبی جو نہی اُٹھی
اِک نوجواں کہیں سے پُکارا "مجھے بچاؤ"
ڈولی سے سر نِکال کے بولی حسیں دُلہن
"کیا دیکھتے ہو، جاؤ بھی للّٰہ! جاؤ، جاؤ!"

متفرق اشعار

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

٭ ٭ ٭

عمر بھر رونے سے رونے کا سلیقہ کھو دیا
ہر نفس کے ساتھ یہ دریا دِلی اچھی نہیں

٭ ٭ ٭

رات کو تاروں سے دن کو ذرّہ ہائے خاک سے
کون ہے جس سے نہیں سنتے تیرا افسانہ ہم

٭ ٭ ٭

تصوّر آپ کا، احساس اپنا، ہم رہی دل کی
محبّت کی اسی تقسیم نے منزل سے بہکایا

٭ ٭ ٭

میں تجھ کو بھول چکا لیکن ایک عمر کے بعد
تیرا خیال کیا تھا کہ چوٹ اُبھر آئی!

٭ ٭ ٭

ذکر اک روز پلٹنے کا کیا تھا تم نے
اک دیا دل کے اندھیرے میں جلا رکھا ہے

ساحر لدھیانوی

ولادت : ۱۹۲۲ء　　　نام : عبدالحی

دُنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں !

تاج محل

تاج تیرے لئے اِک مظہرِ اُلفت ہی سہی
تجھ کو اِس وادیٔ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور مِلا کر مجھ سے

بزمِ شاہی میں غریبوں کا گذر کیا معنی
ثبت جس راہ پہ ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اِس پہ اُلفت بھری رُوحوں کا سفر کیا معنی

میری محبوب! پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تُو نے سطوت کے نِشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مُردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

اَن گِنت لوگوں نے دُنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے اُنکے
لیکن اُن کے لئے تشہیر کا ساماں نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مُفلس تھے

یہ عمارات و مقابر یہ فصیلیں یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
دامنِ دہر پہ اُس رنگ کی گلکاری ہیں
جس میں شامل ہے ترے اور مرے اجداد کا خوں

میری محبوب انہیں بھی تو محبت ہو گی
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکل جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک اُن پہ جلائی نہ کسی نے قندیل

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارا یہ محل!
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق!
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لیکر
ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق!
میری محبوب! کہیں اور مِلا کر مجھ سے

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

رَدِّ عمل

چند کلیاں نشاط کی چُن کر!
مدّتوں محوِ یاس رہتا ہُوں
تیرا مِلنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مِل کر اُداس رہتا ہُوں

٭ ٭ ٭

متاعِ غیر

میرے خوابوں کے جھروکوں کو سجانے والی
تیرے خوابوں میں کہیں میرا گذر ہے کہ نہیں
پُوچھ کر اپنی نِگاہوں سے بتادے مجھ کو !
میری راتوں کے مقدّر میں سحر ہے کہ نہیں

چار دِن کی یہ رفاقت جو رفاقت بھی نہیں
عمر بھر کے لئے آزار ہوئی جاتی ہے
زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشان سی تھی
اب تو ہر سانس گرانبار ہوئی جاتی ہے

میری اُجڑی ہُوئی نیندوں کے شبستانوں میں
تو کِسی خواب کے پیکر کی طرح آئی ہے !
کبھی اپنی سی کبھی غیر نظر آتی ہے
کبھی اخلاص کی مُورت کبھی ہرجائی ہے

پیار پر بس تو نہیں ہے میرا لیکن پھر بھی
تُو بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں !!
تُو نے خود اپنے تبسم سے جگایا ہے جنہیں
اِن تمناؤں کا اظہار کروں یا نہ کروں

تُو کِسی اور کے دامن کی کلی ہے لیکن
میری راتیں تیری خوشبو سے بسی رہتی ہیں
تو کہیں بھی ہو تیرے پھُول سے عارض کی قسم
تیری پلکیں میری آنکھوں پہ جُھکی رہتی ہیں

تیرے ہاتھوں کی حرارت، تیرے سانسوں کی مہک
تیرتی رہتی ہے احساس کی پہنائی میں
ڈھونڈتی رہتی ہے تخئیل کی باہیں تجھکو
سرد راتوں کی سُلگتی ہوئی تنہائی میں،

تیرا الطاف و کرم ایک حقیقت ہے مگر
یہ حقیقت بھی حقیقت میں فسانہ ہی نہ ہو
تیری مانوس نگاہوں کا یہ محتاط پیام
دل کے خوں کرنے کا اِک اور بہانہ ہی نہ ہو

کون جانے میرے امروز کا فردا کیا ہے
قربتیں بڑھ کے پشیمان بھی ہو جاتی ہیں
دِل کے دامن میں لپٹتی ہوئی رنگیں نظریں
دیکھتے دیکھتے انجان بھی ہو جاتی ہیں

میری درماندہ جوانی کی تمناؤں کے
مضمحل خواب کی تعبیر بتا دے مجھ کو
تیرے دامن میں گلستاں بھی ہیں ویرانے بھی
میرا حاصل میری تقدیر بتا دے مجھ کو!!

چکلے

یہ کوچے یہ نیلام گھر دلکشی کے
یہ لٹتے ہوئے کارواں زندگی کے
کہاں ہیں، کہاں ہیں محافظ خودی کے
ثنا خوانِ تقدیس مشرق کہاں ہیں

یہ پُرپیچ گلیاں یہ بے خواب بازار
یہ گمنام راہی یہ سکوں کی جھنکار
یہ عصمت کے سودے یہ سودوں پہ تکرار
ثنا خوانِ تقدیس مشرق کہاں ہیں

تعفّن سے پُرنیم روشن یہ گلیاں
یہ مسلی ہوئی ادھ کھلی زرد کلیاں
یہ بکتی ہوئی کھوکھلی رنگ رلیاں!
ثنا خوانِ تقدیس مشرق کہاں ہیں

وہ اُجلے دریچوں میں پائل کی چھن چھن
تنفس کی اُلجھن پہ طبلے کی دھم دھم
یہ بے رُوح کمروں میں کھانسی کی ٹھن ٹھن
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں!

یہ گونجے ہوئے قہقہے راستوں پر
یہ چاروں طرف بھیڑ سی کھڑکیوں پر
یہ آوازے کھنچتے ہوئے آنچلوں پر
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں؟

یہ پھولوں کے گجرے یہ پیکوں کے چھینٹے
یہ بیباک نظریں یہ گستاخ فقرے
یہ ڈھلکے بدن اور مدقوق چہرے
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہ بھوکی نگاہیں حسینوں کی جانب
یہ بڑھتے ہوئے ہاتھ سینوں کی جانب
لپکتے ہوئے پاؤں زینوں کی جانب
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

یہاں پیر بھی آ چکے ہیں جواں بھی
تنومند بیٹے بھی ابا میاں بھی
یہ بیوی بھی ہے اور بہن بھی ہے ماں بھی
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کہاں ہیں

مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی!
یشودھا کی ہم جنس رادھا کی بیٹی
پیمبر کی امت زلیخا کی بیٹی

ثنا خوانِ تقدیس مشرق کہاں ہیں

بُلاؤ خدایانِ دیں کو بُلاؤ !
یہ کوچے یہ گلیاں یہ منظر دکھاؤ
ثنا خوانِ تقدیسِ مشرق کو لاؤ
ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں

متفرق اشعار

تیری سانسوں کی تھکن تیری نگاہوں کا سکوت
در حقیقت کوئی رنگین شرارت ہی نہ ہو
میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں!
وہ تبسّم وہ تکلّم تیری عادت ہی نہ ہو

※

اپنی تباہیوں کا مجھے کوئی غم نہیں
تم نے کسی کے ساتھ محبت نباہ تو دی

※

گر زندگی میں مل گئے پھر اتّفاق سے
پوچھیں گے اپنا حال تیری بے بسی سے ہم

شکیل بدایونی

ولادت : ۱۹۱۶ء　　نام : شکیل احمد

میں شکیلؔ دِل کا ہوں ترجماں کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جُدا نہیں

غزلیں

میری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
تیرا غم ہے درحقیقت مجھے زندگی سے پیارا

وہ اگر برا نہ مانیں تو جہان رنگ و بو میں !
میں سکون دل کی خاطر، کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہین موج طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری انہیں مل گیا کنارا

مجھے آگیا یقیں سا کہ یہی ہے میری منزل
سر راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا

یہ خنک خنک ہوائیں، یہ جھکی جھکی گھٹائیں
وہ نظر بھی کیا نظر ہے جو سمجھ نہ لے اشارا

میں بتاؤں فرق ناصح! جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
میری زندگی تلاطم تیری زندگی کنارا !!

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غم اذن گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارہ

کوئی اے شکیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

بیت گیا ہنگامِ قیامت زورِ قیامت آج بھی ہے
ترکِ تعلق کام نہ آیا، ان سے محبت آج بھی ہے

سخت سہی ہستی کے مراحل، عشق میں راحت آج بھی ہے
اے غمِ جاناں ہو نہ گریزاں، تیری ضرورت آج بھی ہے

گلشنِ حُسنِ یار میں چلئے، ہے جو تلاشِ کیف و سکوں
لاکھ ہے برہم نظمِ دو عالم زلف میں نکہت آج بھی ہے

نورِ سحر ہے جانِ تصور ظلمتِ شب سے کون ڈرے
لاکھ بنی ہے زیست جہنّم سامنے جنّت آج بھی ہے

صبحِ بہار آئی تھی لیکر رُت بھی نئی شاخیں بھی نئی
غنچہ و گُل کے رُخ پر لیکن رنگِ قدامت آج بھی ہے

بھر لئے دامن پھر بھی نہ بدلی ہائے روش گلچینوں کی
غنچہ و گل سے پیار ہے لیکن شاخ سے نفرت آج بھی ہے

عرضِ تمنّا کرکے گنوایا ہم نے بھرم خودداری کا
ہوگئی گو تکمیلِ تمنّا، دل کی ندامت آج بھی ہے

کرکے ستم کی پردہ پوشی ہم نے انہیں بے عیب کیا
ورنہ شکیلؔ، اپنے ہونٹوں پر حرفِ شکایت آج بھی ہے

غمِ عاشقی سے کہدو، رہِ عام تک نہ پہنچے !!
مجھے خوف ہے یہ تہمت میرے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا تو یہ دِل نے بددُعا دی
تیرا ہاتھ زِندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
وہ نوائے مضمحل کیا نہ ہو جس میں دِل کی دھڑکن
وہ صدائے اہلِ دِل کیا جو عوام تک نہ پہنچے
میرے طائرِ قفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے
نئی صُبح پر نظر ہے مگر آہ یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بیوفا مُبارک
مگر ایسی بے رُخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے
جو یہ نقابِ رُخ اُٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اُٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے
اُنہیں اپنے دِل کی خبریں میرے دِل سے مِل رہی ہیں
میں جو اُن سے رُوٹھ جاؤں تو پیام تک نہ پہنچے
وہی اِک خوش نغمہ ہے ’شکیل‘ جانِ ہستی
جو زبان پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

اختر الایمان

ولادت : ۱۹۱۵ء　　　　نام : اختر الایمان

چُنتے چُنتے آنسو جگ کے اپنے دیپ بُجھا ڈالے

اجنبی

تُو ہے کچی کونپل اب تک جس کے لوچ میں پیار
اور میں گرمی سردی پچ جھکتے ڈالی پر اک تنہا پات
تُو سچا موتی میں ہیرا پتھرا جو برسوں ہاتھوں ہات
تُو اُوشا کی پہلی کرن ہے اور میں جیسے بھیگی رات
تُو تاروں کے نُور کی دھارا میں گہرا نیلا آکاش
میں ہوں جیسے ٹوٹتا نشہ ہے جیسے شاخِ نبات
تُو ہے اِک ایسی شہنائی جس کی دُھن پر ناچے موت
تیری دُنیا جیت ہی جیت ہے، میری دُنیا چھوڑ یہ بات

تُو ہے ایک پہیلی جس کو جو بُوجھے سو جان سے جائے
تُو ہے ایسی مٹی جس میں لاکھوں پھول چڑھیں پروان
آئیں تیرا رنگ کبھی چھو دوں چھوڑ یہ بھید اور بھاؤ کی بات
میں نے وہ سرحد چھُولی ہے جہاں امر ہو جائیں پران
اے آنکھوں میں کھپنے والی! جانے کون کہاں رہ جائے
جیون کی اِس دوڑ میں پگلی ہم دونوں ہیں آج انجان
لیکن اے سپنوں کی دُنیا تو چاہے تو روگ مٹیں
میں نے دُنیا دیکھی ہے تو میری باتیں جھوٹ نہ جان
جیون کی اِس دوڑ میں ناداں یاد اگر کچھ رہتا ہے!
دو آنسُو اک دبی ہنسی دُھندلی سی پہلی پہچان!

جب اور اب

کہاں تو یہ تھا کہ میری چاہت میں گدگدی سی تھی لوریوں کی
نئی نئی کونپلوں کی سُرخی نئے شگوفوں کی تازگی تھی!
کہاں تو یہ تھا کہ میری چاہت تھی گیت اُٹھتی جوانیوں کا
کہاں یہ دن ہے کہ تیری آواز بن گئی ہے صدائے صحرا
نہ جانے کس گوشۂ زمیں سے رُکی رُکی سی تھمی تھمی سی
گھٹی گھٹی سی ہزار پردوں سے آج چھَن چھَن کر آرہی ہے

***

عہدِ وفا

یہی شاخ تم جسکے نیچے کسی کے لئے چشم نم ہو یہاں اب سے کچھ سال پہلے
مجھے ایک چھوٹی سی بچّی ملی تھی، جسے میں نے آغوش میں لیکے پوچھا تھا بیٹی!
یہاں کیوں کھڑی رو رہی ہو؟ مجھے اپنے بوسیدہ آنچل میں پھولوں کے گہنے دکھاکر
وہ کہنے لگی میرا ساتھی، اُدھر، اُس نے انگلی اُٹھاکر بتایا اُدھر، اُس طرف ہی
(جدھر اونچے محلوں کے گنبد، ملوں کی سیاہ چمنیاں آسماں کی طرف سر اُٹھائے
کھڑی ہیں)
یہ کہکر گیا ہے کہ میں سونے چاندی کے گہنے ترے واسطے لینے جاتا ہوں رانی،

ڈھلی رات تارے جھپکنے لگے آنکھ، شبنم کے نا سفتہ موتی
سرِ سُرخ گُل اپنے انجام سے کانپ اُٹھے، خواب پُورے ادھورے
اُڑے جیسے اودے، روپہلے، سنہرے، سیاہ، ملگجے، بھُورے بادل
تہِ آسماں رُوئی۔ کے نرم گالوں کی مانند ہر سمت اُڑتے
بِچھڑے اور نداف کی ضرب کو بھولکر پل گذرتے گذرتے
سرِ بالشِ خاک سب ضِدّی بچّوں کی مانند روتے مچلتے
چڑھی نیند سے چُور ہوکر وہیں سو رہے، یاد کی سبز پریاں
گھنے جنگلوں، لالہ زاروں، پہاڑوں، بھری وادیوں سے گزرتی
کہیں تخافِ ماضی کے نمناک غاروں میں روپوش ہونے لگی ہیں

مبارک ہو میں نے سُنا ہے تم پھُول سی جان کی ماں بن رہی ہو
مبارک! سُنا ہے تمہارا ہر اک زخم مندمل ہو گیا ہے

انجان

تم ہو کس بَن کی پھُلواری اتنہ پتہ دیتی جاؤ
مجھ سے میرا بھیَد نہ پوچھو، میں کیا جانوں میں ہوں کون؟
چلتا پھرتا آ پہنچا ہُوں راہی ہوں متوالا ہوں
ان رنگوں کا بَن سے تم نے اپنا روپ سجایا ہے

اِن رنگوں کا جن سے تم نے اپنا کھیل رچایا ہے
اِن گیتوں کا جن کی دُھن پر ناچ رہے ہیں میرے پران
ان لہروں کا جن کی رَو میں ڈُوب گیا ہے میرا مان
میرا روگ مِٹانے والی اتہ پتہ کچُھ دیتی جاؤ!
مجُھ سے میرا بھید نہ پُوچھو، میں کیا جانُوں میں ہوں کون

میں ہُوں ایسا راہی جس نے دیس دیس کی آہوں کو
لے کر پروان چڑھایا اور رسیلے گیت سبُھ نے
چُنتے چُنتے آنسُو جگ کے اپنے دیپ بُجھا ڈالے
میں ہُوں وہ دیوانہ جس نے پھُول لُٹائے خار چُنے
میرے گیتوں اور پھُولوں کا رس بھی سُوکھ گیا تھا آج
میرے دیپ اندھیرا بنکر روک رہے تھے میرے کاج
میری جوت جگانیوالی اتہ پتہ کچُھ دیتی جاؤ
مجُھ سے میرا بھید نہ پوچھو میں کیا جانوں میں ہُوں کون

ایک گھڑی اِک پَل بھی سُکھ کا وقت بہت اس راہی کو
جیون جس کا بیت گیا ہو کانٹوں پر چلتے چلتے
سَب کچُھ پایا پیار کی ٹھنڈی چھاؤں جو پائی دُنیا میں
اس نے جس کی بیت گئی ہو برسوں سے جلتے جلتے
میرا درد بٹانے والی اتہ پتہ کچُھ دیتی جاؤ
مجُھ سے میرا بھید نہ پُوچھو، میں کیا جانُوں میں ہوں کون

اندوختہ

گہرا، نیلا بسیط و بُلند آسماں
اِتنا خاموش، سٹھہرا ہُوا ، پُرسکُوں،
اِس طرح دیکھتا ہے مجھے جیسے میں
اپنے غلّے سے بچھڑی ہوئی بھیڑ ہُوں
تم کہاں ہو میری رُوح کی روشنی
تم تو کہتی تھیں یہ درد پائندہ ہے
تم کہاں ہو میرے راستوں کے دیئے
بُجھ گئے پھر بھی ہر چیز تابندہ ہے
ہیں مِلوں کارخانوں کے بوجھل دُھوئیں
قحبہ خانوں کی مغموم تابندگی
کاہنوں کی محبّت کا فضلہ جسے
ربِّ موجود و معدوم نے بخش دی
دائمی زندگی، میں تمہارے لئے
عہد قاروں کی گیرا در دار سے
اپنی زخمی محبّت بچا لایا ہُوں

جگن ناتھ آزاد

ولادت : ۱۹۱۸ء　　نام : جگن ناتھ

جہاں ظلمت کا مرکز، آندھیوں کا آشیانہ ہے
وہاں آزاد، پیغامِ چراغاں لے کے آیا ہوں

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

نہ پُوچھو جب بہار آئی تو دیوانوں پہ کیا گزری
ذرا دیکھو کہ اِس موسم میں فرزانوں پہ کیا گزری

بہار آتے ہی ٹکرانے لگے کیوں ساغر و مینا
بتا اے پیرِ میخانہ! یہ میخانوں پہ کیا گزری

فضا میں ہر طرف کیوں دھجّیاں آوارہ ہیں اُن کی
جنونِ سر فروشی، تیرے افسانوں پہ کیا گزری

وصالِ شمع کی حسرت میں سب بیتاب پھرتے ہیں
میں کیا جانوں حضور شمع پروانوں پہ کیا گزری

کہو دیر و حرم والو یہ تم نے کیا فسوں پھونکا ؟
خدا کے گھر پہ کیا بیتی صنم خانوں پہ کیا گزری

نشانِ برگ و گل تک بھی نظر آتا نہیں ہم کو!
سمجھ میں کچھ نہیں آتا گُلستانوں پہ کیا گزری

جہاں نورِ سحر کے بھی قدم جمنے نہ پاتے تھے
بتائے کون آخر ان شبستانوں پہ کیا گزری

وہ رنگ و نُور سے بھرپور پستانوں پہ کیا بیتی
شباب و شعر سے معمُور کاشانوں پہ کیا گزری

ابھی تو چشمِ عبرت وقت کی رفتار دیکھے گی
ابھی یہ کس طرح کہہ دیں ستم رانوں پہ کیا گزری
نہ پوچھ 'آزاد' اپنوں اور بیگانوں کا افسانہ
ہُوا تھا کیا یہ اپنوں کو یہ بیگانوں پہ کیا گزری

٭ ٭ ٭

غزل

ہمارے ربطِ باہم کی کہاں تک بات جا پہنچی
حقیقت سے چلی تھی داستاں تک بات جا پہنچی
اٹھیں دل سے یقیں باہمی پر جس کی بنیادیں
تعجب ہے وہی آخر گماں تک بات جا پہنچی
گلستانوں کے کسی گوشے پہ اک کوندا سا لپکا تھا
مگر آخر ہمارے آشیاں تک بات جا پہنچی
رفیقو! دوستو! دعوے محبت کے بجا لیکن
اگر میری بدولت امتحاں تک بات جا پہنچی
وہیں تک راز سربستہ رہی جب تک رہی دل میں
ذرا آئی زباں تک اور کہاں تک بات جا پہنچی
نشیمِ گل نے جس کی ابتدا کی تھی گلستاں میں
وہاں زنداں میں زنجیرِ گراں تک بات جا پہنچی
کیا تھا ذکر سا بے مہریٔ احباب کا میں نے
مگر ناقدریٔ ہندوستاں تک بات جا پہنچی

غزل

جو دِل کا راز بے آہ و فغاں کہنا ہی پڑتا ہے
تو پھر اپنے قفس کو آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے
تجھے اے طائرِ شاخِ نشیمن کیا خبر اس کی
کبھی صیّاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے
یہ دُنیا ہے یہاں ہر کام چلتا ہے سلیقے سے
یہاں پتھر کو بھی لعلِ گراں کہنا ہی پڑتا ہے
بہ فیضِ مصلحت ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں
کہ رہزن کو امیرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے
زبانوں پر دِلوں کی بات جب ہم لا نہیں سکتے
جفا کو پھر وفا کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے
نہ پوچھو کیا گزرتی ہے دِلِ خود دار پر اکثر !!
کِسی بے مہر کو جب مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

شعر

کیا جانیے آزاد میرا عشق جنوں خیز
جینے کا سہارا ہے کہ مرنے کا بہانہ

اب کس کی تھی اس وقت خطا، یاد نہیں
کس طرح سے ہم ہوئے جُدا، یاد نہیں
ہے یاد وہ گفتگو کی تلخی لیکن!
آزاد! وہ گفتگو تھی کیا، یاد نہیں

٭ ٭ ٭

انسان کے حالات ہیں کس کے بس میں
اڑتے ہوئے لمحات ہیں کس کے بس میں
اک رات ملی تھی اتفاقاً ورنہ
دنیا تیرے دن رات ہیں کس کے بس میں

٭ ٭ ٭

وہ رات کہ جب خلد بریں تھا پہلو،
جب موج ہوا تھی موجِ مے، وقتِ سبو
وہ رات تصوّر میں بسی ہے ایسے
جس طرح شراب میں نشہ، پھول میں بُو

٭ ٭ ٭

امکانِ ملاقات کے پھر کم ہوں گے
سمٹے ہوئے لمحات یہ برہم ہوں گے
جب صبح افق پر جلوہ فرما ہوگی
کیا علم، کہاں تم، کہاں ہم ہوں گے

٭ ٭ ٭

اِس سے پہلے کہ صبح پھوٹے اے دوست
بجلی کی طرح ہم پر وہ ٹوٹے اے دوست
اڑتے ہوئے لمحات کو یوں اپنا بنالیں
اِک لمحہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے اے دوست

٭ ٭ ٭

جو نیند میں ہو نیند میں رہ جاتا ہے
بیدار سے رازِ زیست کہہ جاتا ہے
اِک نور کا دریا کہ سحر سے پہلے
ظلمات کی وادیوں میں بہہ جاتا ہے

٭ ٭ ٭

اِک رات اگر کرم پہ مائل ہو جائے
اِنسان کے ہر نفس میں شامل ہو جائے
یہ رات، یہ شام سے سحر تک کا سماں
پھیلے تو زندگی کا حاصل ہو جائے

٭ ٭ ٭

عرش ملسیانی

ولادت : سنہ ۱۹۰۶ء   نام : بالمکند

اے عرش گنہ بھی ہیں تیرے داد کے قابل
تجھ کو کفِ افسوس بھی ملتے نہیں دیکھا

کم ظرف دُنیا

یہ دَورِ خرد ہے دورِ جنوں اِس دَور میں جینا مُشکل ہے
انگور کی مے کے دھوکے میں زہراب کا پینا مشکل ہے
جَب ناخنِ وحشت چلتے تھے روکے سے کسی کے رک سکے
اب چاک دِلِ انسانیت سینے میں تو سینا مُشکل ہے
جو دھرم، پہ بیتی دیکھ چکے، 'ایماں' پہ جو گذری دیکھ چکے
اِس رام و رحیم کی دُنیا میں اِنسان کا جینا مُشکل ہے
اِک صبر کے گھونٹ سے مِٹ جاتی جب تشنہ لبوں کی تشنہ لبی
کم ظرفیٔ دنیا کے صدقے یہ گھونٹ بھی پینا مُشکل ہے
وہ شعلہ نہیں جو بجھ جائے آندھی کے ایک ہی جھونکے سے
بجھنے کا سلیقہ آساں ہے، جینے کا قرینہ مُشکل ہے
کرنے کو رفو کر ہی لیں، دُنیا والے سب زخم اپنے
جو زخم دِلِ اِنساں پہ لگا اس زخم کا سینا مُشکل ہے
وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اِس حال پہ جینا لازم ہے جس حال میں جینا مُشکل ہے
مِلنے کو مِلے گا بالآخر اے 'عرش'، سکونِ ساحل بھی
طوفانِ حوادث سے لیکن بچ جائے سفینہ مُشکل ہے

نوائے عشق

محبت سوز بھی ہے ساز بھی ہے
خموشی بھی ہے یہ آواز بھی ہے

نشیمن کے لئے بیتاب طائر
وہاں پابندیٔ پرواز بھی ہے

میری خاموشیٔ دل پہ نہ جاؤ
کہ اس میں رُوح کی آواز بھی ہے

خموشی پر بھروسہ کرنے والے
خموشی درد کی غمّاز بھی ہے

دلِ بیگانہ خو دُنیا میں تیرا
کوئی ہمدم کوئی ہمراز بھی ہے

ترانہ ہائے سازِ زندگی میں،
اِک آوازِ شکستِ ساز بھی ہے

ہے معراجِ فردبھی عرشِ اعظم
جنوں کا فرشِ پا انداز بھی ہے

بگڑی ہوئی قسمت کو بدلتے نہیں دیکھا
آ جائے جو سر پر اُسے ٹلتے نہیں دیکھا

کیوں لوگ ہوا باندھتے ہیں ہمتِ دل کی
ہم نے تو اُسے گر کے سنبھلتے نہیں دیکھا

ہم جور بھی سہہ لیں گے مگر ڈر ہے تو یہ ہے
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

ارباب کی یہ شانِ حریفانہ سلامت
دشمن کو بھی یوں زہر اُگلتے نہیں دیکھا

وہ راہ سجھاتے ہیں ہمیں حضرتِ رہبر
جس راہ پہ اُن کو کبھی چلتے نہیں دیکھا

اے عرشؔ گنہ بھی ہیں تیرے داد کے قابل
تجھ کو کفِ افسوس بھی ملتے نہیں دیکھا

عشقِ بتاں کا لے کے سہارا کبھی کبھی
اپنے خدا کو ہم نے پکارا کبھی کبھی!

آسودہ خاطری ہی نہیں مطمعِ وفا
غم بھی کیا ہے ہم نے گوارا کبھی کبھی

اِس انتہائے ترکِ محبّت کے باوجود
ہم نے لیا ہے نام تمہارا کبھی کبھی
طوفاں کا خوف ہو ابھی شائید کرشمہ کار
آتا ہے سامنے جو کنارا کبھی کبھی!
تنہا روی نے رکھی ہمارے جنوں کی لاج
گو اہلِ کارواں نے پکارا کبھی کبھی
پیہم ستم سے عشق کی تسکین ہو نہ جائے
اے دوست التفات! خدارا کبھی کبھی
فریادِ غم سے عرش، سنبھلتے ہیں دِل مگر
لیتے ہیں اہلِ دل یہ سہارا کبھی کبھی

رُباعی

بچھڑے ہوئے احباب جو مِل جاتے ہیں
چاکِ دلِ افسردہ بھی سِل جاتے ہیں
پی کر جو نِکل جاتا ہُوں میں سوئے چمن
غُنچے میری تعظیم میں کِھل جاتے ہیں

متفرق اشعار

تحیّر ہے حضوری میں تو بیتابی ہے دُوری میں
مُصیبت میں ہے یہ جانِ ناتواں یوں بھی ہے اور یوں بھی

٭ ٭ ٭

توازن خُوب یہ عشق و منزلِ عشق میں دیکھا
طبیعت ایک بار آئی، مُصیبت بار بار آئی

٭ ٭ ٭

داغِ دل سے بھی روشنی نہ ملی
یہ دِیا بھی جلا کے دیکھ لیا

٭ ٭ ٭

نہ نشیمن ہے نہ شاخِ نشیمن باقی
لُطف جب ہے کہ کرے اب کوئی برباد مُجھے

٭ ٭ ٭

میرے دِل کی نیرنگی پوچھتے ہو کیا مُجھ سے
تم نہیں تو ویرانہ، تم رہو تو بستی ہے

٭ ٭ ٭

مخدوم محی الدین

ولادت : سنہ ۱۹۱۰ء نام : محی الدین

بکھری ہوئی رنگیں کرنوں کو آنکھوں سے چن کر لاتا ہوں
فطرت کے پریشاں نغموں سے پھر اپنا گیت بناتا ہوں

انتظار

رات بھر دیدۂ غمناک میں لہراتے رہے
سانس کی طرح سے آپ آتے رہے جاتے رہے

خوش تھے ہم اپنی تمنّا کا جواب آئے گا
اپنا ارمان برافگندہ نقاب آئے گا
نظریں نیچی کئے شرمائے ہوئے آئے گا
کاکلیں چہرے پہ بکھرائے ہوئے آئے گا

آ گئی تھی دلِ مضطر میں شکیبائی سی !
بج رہی تھی مرے غم خانے میں شہنائی سی
پتیاں کھڑکیں تو سمجھا کہ لو آپ آ ہی گئے
سجدے مسرور کہ معبود کو ہم پا ہی گئے

شب کے جاگے ہوئے تاروں کو بھی نیند آنے لگی
آپ کے آنے کی اِک آس تھی اب جانے لگی
صبح نے سیج سے اُٹھتے ہوئے لی انگڑائی
او صبا ! تو بھی جو آئی تو اکیلی آئی !!

میرے محبوب میری نیند اُڑانے والے
میرے مسجود میری رُوح پہ چھانے والے
آ بھی جا تا کہ میرے سجدوں کا ارماں نکلے
آ بھی جا تا کہ تیرے قدموں پہ میری جاں نکلے

قید

قید ہے قید کی میعاد نہیں
جور ہے، جور کی فریاد نہیں، داد نہیں
رات ہر رات کی خامشی ہے تنہائی ہے
دُور محبس کی فصیلوں سے بہت دُور میں
سینۂ شہر کی گہرائی سے، گھنٹوں کی صدا آتی ہے
چونک جاتا ہے دماغ
جھلملا جاتی ہے انفاس کی لو
جاگ اُٹھتی ہے مری شمعِ شبستانِ خیال
زندگانی کی اِک اِک بات کی یاد آتی ہے

شاہراہوں میں، گلی کوچوں میں اِنسانوں کی بھیڑ
ان کے مصروف قدم
اُن کے ماتھے پہ تردد کے نقوش
اُن کی نظروں میں غمِ دوش اور اندیشۂ فردا کی جھلک
سینکڑوں لاکھوں عوام
سینکڑوں لاکھوں قدم
سینکڑوں لاکھوں دھڑکتے ہوئے انسانوں کے دِل

جبرِ شاہی سے غمیں، جورِ سیاست سے نڈھال
جانے کس موڑ پہ وہ دھم سے دھماکا بن جائیں
سالہا سال کی افسردہ مجبور جوانی کی اُمنگ
طوق و زنجیر سے لپٹی ہوئی سو جاتی ہے
کروٹیں لینے میں زنجیر کی جھنکار کا شور
خواب میں زیست کی سوزش کا پتہ دیتا ہے
مُجھ کو غم ہے کہ میرا گنجِ گرانمایۂ عُمر
نذرِ زنداں ہوا
نذرِ آزادیٔ زندانِ وطن کیوں نہ ہوا ؟

٭

چند اشعار

گریباں چاک محفل سے نکل جاؤں تو کیا ہوگا
تیری آنکھوں سے آنسو بن کے ڈھل جاؤں تو کیا ہوگا
جنوں کی لغزشیں خود پردہ دارِ رازِ اُلفت ہیں
جو کہتے ہو سنبھل جاؤ، سنبھل جاؤں تو کیا ہوگا

٭

تُو نے کس دِل کو دُکھایا ہے تجھے کیا معلوم
کس صنم خانے کو ڈھایا ہے تجھے کیا معلوم
ہم نے ہنس ہنس کے تیری بزم میں اے پیکرِ ناز
کتنی آہوں کو چھپایا ہے تجھے کیا معلوم

غلام ربّانی تاباں

ولادت : ۱۹۱۴ء — نام : غلام ربّانی

میرا خونِ دل بھی شامل ہے نگارِ انجمن میں
میں چراغِ عارضی ہوں، میری روشنی دوامی

جیل میں کسی کا خط پا کر

زِ فصلِ بہار میں بھی اسیرِ قفس ہوں میں
گلزار کی فضا کو میرا انتظار ہے

رنگِ فریب کوشش کو ہے میری جستجو
بوئے گریز پا کو میرا انتظار ہے

تکتے ہیں میری راہ خیابانِ کیف خیز
دشتِ جنوں فضا کو میرا انتظار ہے

جیسے وہ افسردہ ہو گئی بزمِ صدا و ساز
یارانِ خوش نوا کو میرا انتظار ہے

سونے پڑے ہیں منبر و محرابِ میکدہ
رندانِ با صفا کو میرا انتظار ہے

یہ اور بات ہے کہ وہ مُنہ سے نہ کہہ سکے
اس پیکرِ حیا کو میرا انتظار ہے

ہیں میرے انتظار میں گیسوئے شام خیز
چشمِ سحر نما کو میرا انتظار ہے

اب بھی کھلا ہے بابِ حرم میرے واسطے
اب بھی میرے خُدا کو میرا انتظار ہے

کچھ اپنے متعلق

دیارِ زہد چھوڑا اور مئے خواروں میں آ پہنچا
گناہِ زیست کی خاطر گنہگاروں میں آ پہنچا

مِرے دیرینہ ہمدم خوب تھے پر یہ حقیقت ہے
ثوابت سے گزر کر آج سیاروں میں آ پہنچا

شبستانوں کے خواب اور مناظرِ گل کی باتیں تھیں
سحر کے جاں فزا بیدار نظاروں میں آ پہنچا

جو طالب ہیں سکونِ زندگی اُن کو مبارک ہو
ہلاکِ جستجو تھا میں کہ آواروں میں آ پہنچا

نظر کو خیرہ کر سکتی تھی سیم و زر کی تابانی،
نظر پلٹی ہے جن میں ایسے نظاروں میں آ پہنچا

میں بیگانہ تھا یزداں کے پرستاروں کی محفل میں
غنیمت ہے کہ انساں کے پرستاروں میں آ پہنچا

عروسِ زندگی کی ناز برداری کا سودا تھا!
عروسِ زندگی کے ناز برداروں میں آ پہنچا

اگر یہ زندگی سے پیار بھی اک جرم ہے پھر تو
گنہگاروں میں آ پہنچا، خطاکاروں میں آ پہنچا

بھٹکتا پھر رہا تھا دربدر اور کو بہ کو تاباںؔ!
یہ یاروں کا تصرّف ہے کہ اب یاروں میں آ پہنچا

کوچۂ شوق رہِ فکر و نظر سے گزرے
نقشِ پا چھوڑ گئے ہم تو جدھر سے گزرے

ہم بھی مسجد کے ارادے سے چلے تھے لیکن
میکدے راہ میں حائل تھے جدھر سے نکلے

یہ وہ منزل ہے کہ الیاس بھی گم خضر بھی گم
ہائے آوارگیٔ شوق کدھر سے گزرے

زاہد و شیخ میں کیا کیا نہ ہوئی سرگوشی
میکدے جاتے ہوئے ہم جو اُدھر سے گزرے

آج تاباںؔ دلِ مرحوم بہت یاد آیا!
بعد مدت کے جب اس راہگزر سے گزرے

* * *

بھر آئی آنکھ تو اکثر کسی کے نام کے ساتھ
مگر وہ اشک جو چھلکا گئے ہیں جام کے ساتھ
صبح تمام کی باتیں صبح تمام کے ساتھ،
وہ رات ہو گئی منسوب اُن کے نام کے ساتھ
قفس میں رہ کے بھی اکثر بہار کا دامن
نظر سے چوم لیا ہم نے احترام کے ساتھ
چمن پہ سایۂ ابرِ بہار کیا کہیے
وہ زلف رخ پہ بکھرتی ہے التزام کے ساتھ
کوئی سمجھ نہ سکا لذّتِ [illegible] !
یہ لطف خاص ہے اک شانِ انتقام کے ساتھ

سلام مچھلی شہری

ولادت : سنہ ۱۹۱۲ء

شائید کہ انقلابِ زمانہ کے ساتھ ساتھ
میری تباہیوں میں تمہارا بھی ہاتھ ہے

ڈرائنگ رُوم

یہ سینری ہے، یہ تاج محل، یہ کرشن ہیں اور یہ رادھا ہیں
یہ کوچ ہے، یہ پائپ ہے میرا، یہ ناول ہے یہ رسالہ ہے
یہ ریڈیو ہے، یہ قمقمے ہیں، یہ میز ہے، یہ گلدستہ ہے
یہ گاندھی ہیں، ٹیگور ہیں یہ، یہ شہنشاہ یہ ملکہ ہیں

ہر چیز کی بابت پوچھتی ہے جانے کتنی معصوم ہے یہ
ہاں اِس پر رات کو سونے سے میٹھی میٹھی نیند آتی ہے
ہاں اِس کے دبانے سے بجلی کی روشنی گُل ہو جاتی ہے
سمجھی کہ نہیں، یہ کمرہ ہے، ہاں میرا ڈرائنگ رُوم ہے یہ

اِتنی جلدی مزدور عورت! آخر یہ گلے میں باہیں کیوں؟
لے دیر ہوئی اب بھاگ بھی جا، بس اِتنی محبت کافی ہے
اِس ملک کے بھوکے پیاسوں کو پینے کی حاجت کافی ہے
اِتنی ہنس مُکھ خاموشی، اِتنی مانوس نگاہیں کیوں؟

میں سوچ رہا ہُوں کچھ بیٹھا پائپ کے دھوئیں کے بادل میں
میں چھپ سا گیا ہُوں اِک نازک تخیل کے آنچل میں

٭ ٭ ٭

سڑک بن رہی ہے

مئی کے مہینے کا مانوس منظر
غریبوں کے ساتھی یہ کنکر یہ پتھر
وہاں شہر سے ایک ہی میل ہٹ کر —— سڑک بن رہی ہے

زمیں پر کدالوں کو برسا رہے ہیں
پسینے پسینے ہوئے جا رہے ہیں
مگر اس مشقت میں بھی گا رہے ہیں —— سڑک بن رہی ہے

مصیبت ہے کوئی مسرت نہیں ہے
انہیں سوچنے کی بھی فرصت نہیں ہے
جمعدار کو کچھ شکایت نہیں ہے —— سڑک بن رہی ہے

جواں، نوجواں اور خمیدہ کمر بھی
فسردہ جبیں بھی بہشتِ نظر بھی
وہیں شامِ غم بھی جمالِ سحر بھی —— سڑک بن رہی ہے

جمعدار سائے میں بیٹھا ہوا ہے
کسی پر اسے کچھ عتاب آگیا ہے
کسی کی طرف دیکھ کر ہنس رہا ہے —— سڑک بن رہی ہے

یہ بے باک الفت یہ الہڑ اشارہ
بسنتی سے رامو اور رامو سے رادھا
جمعدار بھی ہے بسنتی کا شیدا —— سڑک بن رہی ہے

اگر سر پہ پگڑی تو ہاتھوں میں ہنٹر
چلا ہے جمعدار کس شان سے گھر
بسنتی بھی جاتی ہے پوشیدہ ہو کر —— سڑک بن رہی ہے

سمجھتے ہیں لیکن ہیں مسرور اب بھی

اسی طرح گاتے ہیں مزدور اب بھی
بہرحال واں حسبِ دستور اب بھی —— سڑک بن رہی ہے

"آرٹسٹ! اپنی یہ تصویر مکمّل کر لے

ہاں یہ ہونٹ اور بھی پتلے ہوں، یاں آنکھ اور بھی مست
لیکن اِن گالوں کی سُرخی کو ذرا کم کر دے
میں نے شائید اُنہیں مرجھایا ہُوا پایا ہے
ہلکے آنسو سے اِن آنکھوں کو ذرا نم کر دے
میں نے افسردہ نگاہوں سے یہی سمجھا ہے
آج میں نے سرِ راہ اُسے دیکھا ہے
ایک شہکار اُسے جلد بنا لے لے دوست
ورنہ تصویر کا خاکہ ہی بدلنا ہوگا —"

●

وامق جونپوری

ولادت : ۱۹۱۲ء　　　نام : احمد مجتبیٰ

ربابِ زندگی میں جتنے ٹوٹے تار ہوتے ہیں
انہیں کو جوڑ کر نغمے مرے تیار ہوتے ہیں

مینا بازار

مناروں پر اذاں ہوئی
یہ شام بھی کہاں ہوئی
پُجاری مندروں میں آ کے سنکھ پھونکنے لگے
یہ شام بھی کہاں ہوئی
گجر بجا ـــــ بٹن دبے
وہ قمقمے چمک اُٹھے
دوکانیں جگمگا گئیں!
نگاہوں میں سما گئیں
وہ مہ وشانِ سیم بر
فسوں طرازِ رہگذر!!
دروں میں اپنے آ گئیں
اور اپنی کائناتِ غم پہ خود ہی جیسے چھا گئیں
لبِ خاموش میں نئی کہانیاں لئے ہوئے
رخوں پہ غازوں سے لدی جوانیاں لئے ہوئے
تپے ہوئے دماغ و دِل میں کتنے شعلے مشتعل
یہ وہ خزاں رسیدہ ہیں بہار جن کے منفعل
زمانے کے سلوک سے
یہ تنگ آ کے بھوک سے

رگڑ رہی ہیں ایڑیاں !
مزلتوں کے غار میں
اور انتقام کے لئے
کھڑی ہیں انتظار میں
سماج کی یہ بیٹیاں !
سماج ہی کی بیویاں ،
نظر کے تیز بھالوں سے
شراب کے پیالوں سے
فرشتوں سے شریف تر
زمیں کے رہنے والوں سے
خراجِ حسن پائیں گی
ہنسیں گی، اور ہنسائیں گی
یہ وہ ہیں جن کی زندگی ،
مسرتوں سے دور ہے
یہ وہ ہیں جن کی ہر ہنسی
جراحتوں سے چور ہے
یہ وہ ہیں جن کا گھر بلندیوں پہ رہ کے پست ہے
یہ وہ ہیں جن کی فتح بھی شکست ہی شکست ہے
مگر انہیں پہ سنگ ساریوں کا حکم عام ہے

"وجود میں یہ کب سے اور کس طرح سے آگئیں ؟"
جواب اِس کا پھر ملے گا یہ تو وقت شام ہے
تھکے ہوئے نظام کی یہ شام بھی کہاں ہوئی
چلو اب آگے بڑھ چلیں
یہاں ٹھہر کے کیا کریں ؟
ہمارے ہمسفر نہ جانے کس طرف چلے گئے
اکیلا ہم کو چھوڑ کر
مگر دِلِ حزیں ٹھہر
وہ سامنے دوراہے پر
یہ کیسا اژدہام ہے
یہ کیسا انتظام ہے
یہ بادپا سواریوں پہ کیسا اہتمام ہے
عروسی دھوم دھام ہے
یہ بے بسی کی رخصتی
اُجالے میں یہ تیرگی
صدائے نو سے کس کی ہر فغاں لپٹ کے رہ گئی
یہ شام بھی کہاں ہوئی ؟
ابھی ابھی جوان سال
ایک زندہ لاش کو

حریر میں لپیٹ کر
مسرتوں کے دوش پر
کسی طلائی کہنہ سال مقبرے کو سونپنے
یہ لوگ لے کے جائیں گے
اور اس کے بعد ہو گا کیا
یہ لوگ بھول جائیں گے
کسی نے غیظ میں کہا
"یہ کون بدشگون ہے
زبان ان کی کھینچ لو
غریب شہر ہو کوئی
تو شہر سے نکال دو
ادھر نگاہ اہرمن
حویلیوں پہ خندہ زن
ادھر سوار وقت پر
امید و بیم کی کرن
تھکے ہوئے نظام کی یہ شام بھی کہاں ہوئی
چلو اب آگے بڑھ چلیں
یہاں ٹھہر کے کیا کریں
ہمارے ہمسفر نہ جانے کس طرف چلے گئے
اکیلا ہم کو چھوڑ کر
کدھر سے آ گیا کدھر
یہ تنگ و تار راستے
مگر یہ کس کی چیخ پر
قدم ہمارے رک گئے

کسی نہاں نخانے کا لٹتا ہوا شباب ہے
کہ ہاتھ میں سماج کی شکستہ اک رکاب ہے
مغنیوں کو دو خبر
کہ اس کے تار تار میں
دبے ہوئے شرار ہیں
نہ جانے کون راگ ہے
نہ جانے کتنی آگ ہے
مگر یہ کس کے واسطے
یہ تنگ و تار راستے
صداؤں پر صدائیں دیں
یہاں پہ اب کوئی نہیں
بس اک چراغ جھلملا رہا تھا وہ بھی بجھ گیا
پلک لرز کے رہ گئی
اور اک نگاہ واپسیں
فسانے کتنے کہہ گئی
چتا سبھی خاک ہو گئی
جوانی خون رو چکی
یہ کون سے دبے قدم ٹھٹھک کے دور ہٹ گئے
درندے چڑھتے آ رہے ہیں مرگھٹوں کی راہ میں
سیاہی بڑھتی جا رہی ہے فکر کی نگاہ میں
یہ مختصر سی داستاں
اور اس میں اتنی تلخیاں
طلوعِ شب میں الاماں
یہ آدھی رات کا سماں
تھکے ہوئے نظام کی یہ شام بھی کہاں ہوئی
چلو اب آگے بڑھ چلیں
یہاں ٹھہر کے کیا کریں
ہمارے ہمسفر نہ جانے کس طرف چلے گئے
اکیلا ہم کو چھوڑ کر

● ● ●

مخمور جالندھری

ولادت : ۱۹۱۵ء　　نام : گوربخش سنگھ

'جنگ لڑتے ہیں صداقت کی' 'مساوات کی' 'اعلان کرو'

چہ میگوئیاں

اری کچھ سُنا تُو نے کیا ہو گیا
بہن ناس پیٹا یہ چولہا ترا
کبھی ایک پل کو نہ ٹھنڈا ہُوا
ابھی برتنوں کا بھرا ٹوکرا
تیرے سامنے ہے پڑا

بہن جاں لڑاؤ تو کچھ لقمے کھاؤ
ہوا تیز اتنا زمانے کا تاؤ
کہ اب ہڈیاں اپنی پیسو تو کھاؤ
چلو چھوڑو قسمت پہ کیوں سر کھپاؤ
کوئی تازہ قصہ سُناؤ

بہن کچھ نہ پُوچھو حیا اُٹھ گئی!
چہیتی و نازوں پلی لاڈلی!
نویلی بہو لاجپت رائے کی
کریگی کہیں آجکل نوکری
نہیں لوبھ کی حد کوئی

اُوئی رام پُوچھو تو ہم سچ بتائیں
پڑھی اور لکھی برہنہ بُلائیں
نہ مردوں سے جس روز شانہ بھِڑائیں
نہ جب تک اُنہیں دیکھ کر مُسکرائیں
وہ گھر اپنے تب تک نہ آئیں

بہن غیر کا ہاتھ ہم پر پڑے
تو لگتا ہے یوں جیسے نشتر گڑے
یہی چاہتے ہیں وہیں پہ کھڑے
وہ اپنی جگہ یا گلے یا سڑے
بُرے ہاتھ جس جا پڑے

بہن مرد کی شان ہے وہ کمائے
کمایا ہُوا اُس کا کُل کُنبہ کھائے
جو کچھ رُوکھا سُوکھا سا باہر سے لائے
اُسے بیوی دھوئے، سنوارے، پکائے
سُگھڑ اور چتر نام پائے

مُجھے دیکھو یہ کوئی دعویٰ نہیں
کبھی گھر میں تنکا بھی ہوتا نہیں
اگر بھُوکے سوئے تو پروا نہیں
زباں پر کبھی شکوہ آیا نہیں
گِلہ اپنا شیوہ نہیں

بہن تم سے کیا اپنی بپتا چھپاؤں — حیا روکے ہے ورنہ کرتہ اٹھاؤں
تو شلوار کی خستہ حالت بتاؤں — کئی کھڑکیاں اور روزن دکھاؤں

کہاں اور ٹانکے لگاؤں ؟

اری نوکری تو بہانہ ہے بس — نئی پود سچ مچ ہوس ہی ہوس
ارادے گنہگار نیت نجس — سدا پائیں مردوں کی قربت میں رس

کہ گھیرے رہیں پانچ دس

ہمیں تو بہن نکھرے آتے نہیں — کبھی سرخی پوڈر لگاتے نہیں
دوپٹے کو سر سے ہٹاتے نہیں — یوں بالوں میں چڑیاں بناتے نہیں

سینہ دکھاتے نہیں

ہماری قناعت ہمارا سنگار — بھلا کچھ بھی لگتا نہیں رنگدار
وہ شادی کے جوڑے جو تھے تین چار — لیا ہے سب ان پہ سے گوٹا اتار

کہ ہے سادگی خود بہار

بہن اب تو گہنا بھی پھبتا نہیں — سنو تم سے ہے تو کوئی پردہ نہیں
اک آویزہ بھی گھر میں رکھا نہیں — کسی چور اچکے کا کھٹکا نہیں

ذرا دل دھڑکتا نہیں

بہن بات میری ادھوری رہی — یہ اندھیر ہے عورت اور نوکری
جبھی تو زمانے کی یہ گت بنی — نہ دیکھا نہ ایسا سنا تھا کبھی

ابھی الٹی گنگا بہی !

چلیں دے کے مردوں کے ہاتھوں میں ہاتھ — اگر آج اس کے تو کل اس کے ساتھ
کریں بھونڈے فیشن میں میموں کی مات — بس اک بچے کے بعد پائیں نجات

کہ اولاد ہے سکھ کی لات

بہن بات پھر بیچ میں کٹ گئی — نویلی بہو لاجپت رائے کی،
وہ بہنوں سسر سے جھگڑتی رہی — "کہ گھر میں بڑھی جاتی ہے بھک مری

مجھے کرنے دو نوکری

بہن ٹھیک ہے پیٹ بھرتا نہیں — مہینہ گذارے گذرتا نہیں
مگر آدمی اس سے مرتا نہیں — کوئی بے حیائی تو کرتا نہیں

کنوئیں میں اُترتا نہیں

بہن تیرا مُنہ کیوں ہے اُترا ہُوا — ہو جیسے سارا نچوڑا ہُوا
تجھے بیٹھے بیٹھے بھلا کیا ہُوا — اری پھوڑا نکلی تو رستا ہُوا

کوئی آج جھگڑا ہُوا

بہن کوئی دن ایسا کٹتا نہیں — کہ جب آسماں سر پہ پھٹتا نہیں
گھٹایا بہت خرچ گھٹتا نہیں — اسی واسطے جھگڑا ہٹتا نہیں

گھرا ابر چھٹتا نہیں

بہن بھوک کا گرم بازار ہے — فرنگی نہ اب اس کا بیوپار ہے
سروں پر ٹنگی پھر بھی تلوار ہے — یقیناً" کوئی ہم میں بٹ مار ہے

ہمیں میں ریاکار ہے

بہن اس نگوڑے کو گولی لگے — کہیں سے کوئی تیز آندھی آسکے
محل اس کا ہو جائے اوپر تلے — سدا کے لئے اس کا دیپک بجھے

جو دن رات ہم کو چھلے

اہا ہا تیرے مُنہ میں مصری بہن — تیری بات ہو جلد پوری بہن
بنے تو کئی پوتوں والی بہن، — جئے تو جگوں تک جیتی بہن

لگے عمر میری بہن

قتیل شفائی

ولادت : ۱۹۱۹ء

غمِ ذات سے میری زندگی غمِ کائنات میں ڈھل گئی
کسی بزمِ ناز میں کھو کے بھی مجھے کائنات سے پیار ہے

ہرجائی

کھیت سے دور دمکتے ہوئے دوراہے پر
ایک سرشار جواں میں نے کھڑا پایا تھا
تمتماتے ہوئے چہرے پہ سلگتی آنکھیں
جیسے مہکے ہوئے گلزار کا خواب آیا تھا

سر پہ گاگر کے چھلکنے سے جو تارے ٹوٹے
آسماں جھانک رہا تھا مجھے حیرانی سے
ٹن سے پتھر جو پڑا میری حسیں گاگر پر،
ایک نغمہ سا اُبھرنے لگا پیشانی سے

ٹوٹتی رات گئے گھر کو پلٹنا میرا
اِک لپکتے ہوئے سائے نے ڈرایا تھا مجھے
"تم؟ اری تم؟" (وہی سرشار جواں تھا شائد)
"جی، یونہی ایک سہیلی نے بلایا تھا مجھے"

کھیت بھرپور جوانی کو لٹا بیٹھے تھے
ہر درانتی پہ تسلسل کا جنوں طاری تھا
جانے کیا دیکھ رہا تھا وہ میرے چہرے پر
اس قدر یاد ہے اُنگلی سے لہو جاری تھا

کانچ کی چوڑیاں کل رات نہ ہوں ہاتھوں میں
اِتنی اونچی تیری پازیب کی جھنکار نہ ہو!
سرسراتا ہوا ملبوس نہ لہرا جائے
کِسی سائے کا گماں بھی پسِ دیوار نہ ہو

جب کبھی چاند سے پگھلی ہوئی چاندی برسی
اونگھتی رات کے شانے کو جھنجھوڑا ہم نے
بھُول کر بھی کبھی پلکیں نہ جھپکنے پائیں
اِس قدر نیند کو آنکھوں سے جھنجھوڑا ہم نے!

اب مگر چاندنی رات آکے گزر جاتی ہے
پوچھتا ہی نہیں کوئی میری تنہائی کو
کھیت سے دُور دمکتے ہُوئے دوراہے پر
ڈھونڈتی ہیں میری آنکھیں کِسی ہرجائی کو

٭ ٭ ٭

دو شعر

ایک ذرا سا دِل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو
یہ سونے کا طوق نہیں یہ چاندی کی دیوار نہیں
ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی
لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں

گیت

تیرا آنچل رنگ رنگیلا، رنگ رنگ میں باس نئی
میرے من کی آس پرانی، تیرے تن کی آس نئی

تُو بگیا کی تتلی بن کر پھول پھول پر جھولے
کلی کلی سے پیار بڑھائے، رت رت کے دکھ بھولے
اِک سمان ہے تجھ کو ساون ہو یا سرسوں پھولے

تیرا جوبن ایک پہیلی، تیری آس نِراس نئی !
تیرا آنچل رنگ رنگیلا، رنگ رنگ میں باس نئی

رُوپ رنگ میں تیری مُنہ پھٹ چنچلتا اِترائے
انگ انگ میں سجی سجائی سُندرتا بل کھائے
سنگ سنگ اِن دیکھے سپنوں کی شوبھا لہرائے

جیون کے ہر موڑ پہ تیری آس رچائے راس نئی
تیرا آنچل رنگ رنگیلا، رنگ رنگ میں باس نئی

ایک اُڑان سے تو اکتائے بار بار پر تولے
ایک چال نہ بھائے تجھ کو قدم قدم پر ڈولے
اِس پر بھی من مُورکھ میرا تیری ہی جے بولے

میرے ساتھ پُرانی چھایا، کایا تیرے پاس نئی
تیرا آنچل رنگ رنگیلا، رنگ رنگ میں باس نئی

غزلیں

پیار تمہارا بھول تو جاؤں لیکن پیار تمہارا ہے
یہ اک میٹھا زہر سہی، یہ زہر بھی آج گوارا ہے

ہانپ گئے پتوار سفینے چلتے چلتے چور ہوئے
یہ ہے بھنور تو اے ملاحو، کتنی دور کنارا ہے

ہم تو ایک انوکھی ضد میں اپنی جان پہ کھیل گئے
تمہیں بتاؤ اجڑی راتو! کیا جیتا کیا ہارا ہے

او بے رحم مسافر ہنس کر ساحل کی توہین نہ کر
ہم نے اپنی ناؤ ڈبو کر تجھ کو پار اتارا ہے

☆ ☆ ☆

تمہاری انجمن سے اٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
جو وابستہ ہوئے تم سے وہ افسانے کہاں جاتے

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ میخانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

تمہاری بے رخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی!!
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

قتیل اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا!
تو پھر اپنے پرائے ہم سے پہچانے کہاں جاتے

☆

اِک جام کھنکتا جام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
اِک ہوش ربا اِنعام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

وہ دیکھ ستاروں کے موتی ہر آن بکھرتے جاتے ہیں
افلاک پہ ہے کہرام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

گو دیکھ چکا ہوں پہلے بھی نظارہ دریا نوشی کا
ایک اور صلائے عام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

یہ وقت نہیں ہے باتوں کا پلکوں کے سائے کام میں لا
الہام کوئی الہام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

مدہوشی میں احساس کے اونچے زینے سے گر جانے دے
اس وقت نہ مجھ کو تھام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

٭ ٭ ٭ ٭

دو شعر

بھنور سے بچ نکلنا کوئی مشکل نہیں لیکن
سفینے عین دریا کے کنارے ڈوب جاتے ہیں

٭ ٭ ٭

نہ جانے کون سی منزل پہ آ پہنچا ہے پیار اپنا
نہ ہم کو اعتبار اُن کا نہ اُن کو اعتبار اپنا

بکم دام
اچھی کتابیں
POCKET BOOK
۱۲۶
مشورہ بکس
جو اب تک شائع ہو چکی ہیں
ناول
بورین کلب۔ کرشن چندر
دادر پل کے بچے 〃
غدّار 〃
دھرتی کے پھول۔ کرشن گوپال عابد
مسافر 〃
پوجا 〃
ایک ہنسی ہزار آنسو 〃
بوند اور سمندر 〃
بند دروازہ امرتا پریتم
اداس تنہائیاں ٹھاکر پونچھی
جب پتھر روتے ہیں 〃
پت جھڑ کے بچھڑے 〃
یہ رشتے یہ روگ 〃
بھنور 〃
چاندی کے ہاتھ 〃
کلیوں کے مزار 〃
بساطِ دل عادل رشید
بربط کے تار 〃
چندر ما 〃
چاندنی 〃
چندن ہار 〃
لاجی بیگما 〃
ضیار زلیخا حسین
آپا 〃
میرے صنم 〃
بھولنے والے 〃
براج بہو۔ شرت چندر
بڑی دیدی 〃
آخری رات۔ اختر عادل پوری
پھول اور تنہائی 〃
چینی رقاصہ۔ وحشی محمود آبادی
انجانے راستے 〃
تیری صورت میری آنکھیں مہندر ناتھ
ایک شمع ہزار پروانے 〃
منزل ایک مسافر دو 〃
بکھر گئے سپنے۔ نظمی صدیقی
زخم الیاس احمد گدی
روٹھا طوفان سعید امرت
روٹھی بہار حسین علوی
طوفان سے ساحل تک 〃
ثریا محمود ندرت 〃
خزاں کے پھول۔ اقبال
نشیمن۔ عابدہ حجاب لکھنوی
کشور۔ نسیم انہونوی
گمراہ۔ مضطر ہاشمی
خواب۔ عارف مارہروی
ریشماں ذکی انور
جاسوسی ناول
موت کی آغوش محمود جالندھری
رخسار کا زخم 〃
وی اکرم الہ آبادی
بلیک میلر 〃
ریڈیائی دھماکے 〃
فورٹ کرناک 〃
وادی نور 〃
منحوس ستارہ 〃
ابوالہول کی روح 〃
راہی کی روح۔ جمیل انجم
افسانے
مسکرانے والیاں کرشن چندر
کرشن چندر کے افسانے 〃
ہوائی قلعے 〃
کسان اور دیوتا 〃
پھندے منٹو
کالی شلوار 〃
منٹو کے افسانے 〃
ٹھنڈا گوشت 〃
شکاری عورتیں۔ منٹو
ساگر اور لہریں۔ کرشن گوپال عابد
لکشمی 〃
ایک لڑکی ایک جام۔ امرتا پریتم
مختلف مضامین کی کتب
صحت و تندرستی ڈاکٹر ویشنو داس
برتھ کنٹرول 〃
غالب کے خطوط۔ غالب
لغات المشورہ نظمی صدیقی
منٹو اور فلمی شخصیتیں۔ منٹو
خود شیف کیا چاہتا ہے؟ خواجہ احمد عباس
رہنمائے فوٹوگرافی ڈی۔ آر۔ آنند
فلمی نغمے نظمی صدیقی
تخلیقات خلیل جبران خلیل جبران
اسلامی کتابیں
بہشتی زیور حصہ ۱ تا ۳ مولانا اشرف علی تھانوی
بہشتی زیور حصہ ۴ تا ۶ 〃

کتاب	مصنف
سرکار دو عالم	راشد اسہوانی
سیدہ کا لال	راشد الخیری
نعت رسول	رضی بدایونی
تعلیمات رسول	״

شاعری

کتاب	مصنف
دیوان غالب عکسی رنگین	غالب
دیوان غالب سادہ	غالب
دیوان ظفر عکسی رنگین	ظفر
دیوان ظفر سادہ	ظفر
رباعیات عمر خیام حصہ اول	پروفیسر واقف
حصہ دوئم	״
حصہ سوئم	״
بانگ درا	علامہ اقبال
ضرب کلیم	״
بال جبریل	״
ارمغان حجاز	״
کلام اقبال	״
دیوان داغ	داغ
دیوان ذوق	ذوق
کلام میر	میر تقی میر
کلام حالی	حالی
مسدس حالی	״
انتخاب نظیر	نظیر اکبرآبادی
کلام فانی	فانی بدایونی
انتخاب سودا	سودا
رباعیات	حافظ شیرازی
	جذب
دیوان مومن	مومن
بھگوت گیتا منظوم	منور لکھنوی
رامائن منظوم	اشک ایم اے
کلام امیر مینائی	امیر مینائی
دیوان درد	خواجہ میر درد
شاہنامہ فردوسی	وحشی محمود آبادی
شاہنامہ اسلام	حفیظ جالندھری

ڈرامے

کتاب	مصنف
ہیملٹ	شیکسپیئر
رومیو جولیٹ	״

نیا سیٹ

نمبر	کتاب	مصنف
۱۱۷	کلیات اختر	اختر شیرانی
۱۱۸	اردو کے شاعر اور انکی شاعری	پرکاش پنڈت
۱۱۹	دو آتشہ	نریش کمار شاد
۱۲۰	دور کنارا	نانک سنگھ
۱۲۱	پھانسی کا تختہ	محمود جالندھری
۱۲۲	راز	عارف مارہروی
۱۲۳	منٹو میرا دوست	کیول دھیر
۱۲۴	بہشتی زیور حصہ ۱ تا ۹	مولانا اشرف علی تھانوی
۱۲۵	غم کی چھاؤں میں	ثریا محمود ندرت
۱۲۶	گیتانجلی	ڈاکٹر ٹیگور

قیمت فی کتاب ایک روپیہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ نئی مشورہ پاکٹ بکس شائع ہوتے ہی آپ کو اطلاع ملتی رہے تو آپ اپنا پتہ لکھ بھیجئے۔ ہم آپ کو اس بارے میں ضروری اطلاع دیتے رہیں گے۔

مشورہ پاکٹ بکس پتہ ذیل سے خریدیئے

مشورہ بک ڈپو

رام نگر۔ گاندھی نگر۔ پوسٹ بکس ۱۴۲۹ دہلی ۳۱

دستکاری، ڈاکٹری، طبی و مختلف ہنروں کی

اُردو کتابیں

(مشہورہ بک ڈپو کی بڑے سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ پر چھپی ہوئی کتابیں)

انگریزی ہندی بولنا سکھانیوالی کتابیں

کتاب	قیمت
اُردو سے انگریزی خط و کتابت	۴/-
اُردو انگریزی گرائمر	۴/-
فٹافٹ انگریزی بولنا سیکھو	۴/-
اُردو انگلش ٹیچر	۴/-
سات روپے میں میٹرک پاس	۷/-
اُردو ہندی ٹیچر	۳/-

ایلوپیتھک ڈاکٹری کتب (اُردو میں)

کتاب	قیمت
ایلوپیتھک پریکٹس آف میڈیسن	۷/۵۰
ایلوپیتھک میٹریا میڈیکا	۷/۵۰
ایلوپیتھک انجکشن بک	۷/۷۵
ایلوپیتھک کمپونڈر گائیڈ	۷/۵۰
آئی ڈاکٹر	۴/-
بلڈ پریشر	۳/۲۵
ایلوپیتھک مائنر سرجری	۴/-
ایلوپیتھک میڈیکل ڈکشنری	۴/۵۰
دندان سازی	۵/-
پیٹنٹ ادویات	۴/-
سلفا ڈرگز	۳/۲۵
وٹامن گائیڈ	۴/-
اسٹیتھسکوپ گائیڈ	۳/-
پینسلین گائیڈ	۴/۲۵
بخار و تھرمامیٹر	۲/۷۵
ایلوپیتھک لیڈی ڈاکٹر	۵/۷۵

علم موسیقی کی کتابیں

کتاب	قیمت
ہارمونیم گائیڈ	۴/-
بینجو عرف جاپانی باجہ بجانا	۳/-
بانسری گائیڈ	۳/-
وائلن گائیڈ	۳/-

(ہر کتاب کا محصولڈاک الگ ہوگا)

منگانے کا پتہ: مشہورہ بک ڈپو، رام نگر، گاندھی نگر، پوسٹ بکس ۱۶۳۹، دہلی ۶

1/-
اُردو کی اوّلین پاکٹ بُکس